الرسالہ

Al-Risala

September 1998 • No. 262 • Rs. 9

سب سے زیادہ نادان شخص وہ ہے جو نہ
ملنے والی چیز کی خاطر ملنے والی چیز کو بھی کھو دے۔

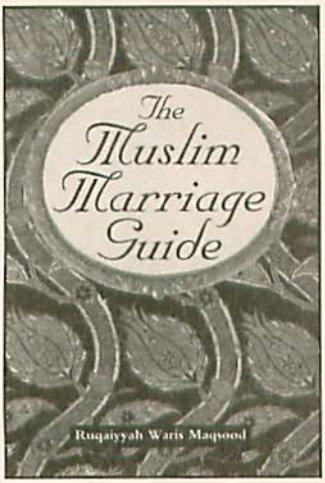

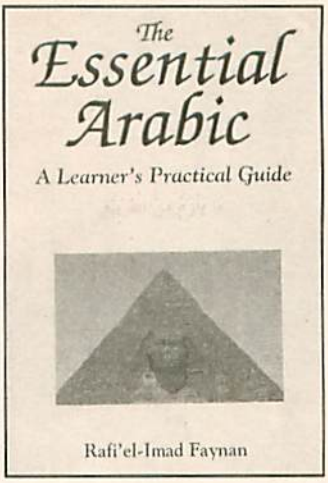

Muslim Marriage Guide

By Ruqaiyyah Waris Maqsood

Islam teaches that marriage is 'half of religion'. Because it fulfils so many basic needs of individuals and of society, it is the cornerstone upon which the whole Muslim life is built.

Modern life brings strains and pressures which can upset even the most compatible relationship. This means that nowadays, to protect the spirit of cooperation and happiness which is the sign of the true Islamic marriage, careful thought needs to be given to the mechanisms which help husband and wife to live together and respect each other's rights.

This highly-readable book takes the reader through the relevant passages in the Quran and Hadith, and goes on to discuss the main social and emotional problems that can afflict relationships, suggesting many practical ways in which these can be resolved.

ISBN 81-85063-25-7 Pages 192, Price Rs. 250

The Essential Arabic

A Learner's Practical Guide

By Rafi'el-Imad Faynan

This practical guide to modern Arabic is presented in a very simple and easy-to-grasp style. Unique in its approach, it explains the language by analyzing sample sentences in the kind of crystal clear manner which leaves a lasting impression on the reader's mind. The step-by-step approach of this easy-to-use guide will be found useful not only for beginners, but also for more advanced students. It can also be a handy tool for teachers of the language. One is finally left wondering how the hitherto dreaded learning of Arabic could have been made so delightfully simple...

ISBN 81-85063-26-5 Pages 184, Price Rs. 200

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ
Al-Risala

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی
مولانا وحیدالدین خاں
صدر اسلامی مرکز

Al-Risala
1, Nizamuddin West Market, Near dva Office,
New Delhi-110013
Tel. 4611128, 4611131 Fax 4697333, 4647980
e-mail: risala.islamic@axcess.net.in
website: http://www.alrisala.org

SUBSCRIPTION RATES
Single copy Rs. 9
One year Rs. 100. Two years Rs. 195
Three years Rs. 290. Five years Rs. 480
Abroad: One year $ 20/£10 (Air mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY
IPCI: ISLAMIC VISION
481, Coventry Road, Birmingham B10 0JS
Tel. 0121-773 0137, Fax: 0121-766 8577
e-mail: info@ipci-iv.co.uk

DISTRIBUTED IN USA BY
AL-RISALA FORUM INTERNATIONAL
1439 Ocean Ave., 4C Brooklyn
New York NY 11230 Tel./Fax 718-2583435
e-mail: caleem@juno.com

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of The Islamic Centre, New Delhi. Printed at Nice Printing Press, Delhi.

ستمبر ۱۹۹۸، شمارہ ۲۶۲

فہرست — صفحہ

فہرست	صفحہ
ایک آیت	۴
پڑوسی کا حق	۵
جنت والے	۶
نیکی کرنا	۷
غیبت کا کفارہ	۸
بدگمانی	۹
اعلیٰ کردار	۱۰
صحت فکر	۱۱
بھلی بات	۱۲
عافیت کا راز	۱۳
برداشت کا فائدہ	۱۴
تالیف قلب	۱۵
حدیبیہ پرنسپل	۱۸
مال کی پاکی	۱۹
فرق کے ساتھ برابری	۲۰
حب وطن اور اسلام	۲۲
نقصان میں فائدہ	۲۶
سفر امریکہ ۲	۲۷
خبر نامہ اسلامی مرکز	۴۷

ایک آیت

ویوم یعرض الذین کفروا علی النار اذھبتم طیبٰتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تفسقون (الاحقاف ۲۰)	اور جس دن انکار کرنے والے آگ کے سامنے لائے جائیں گے، تم اپنی اچھی چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے اور ان کو برت چکے تو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی، اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا۔ اس کے بعد انسان کو زمین پر بسایا گیا اور اس کو مختلف قسم کے ساز و سامان دیے گئے۔ اس طرح انسان کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ کائنات کے اس حصہ میں آباد ہو اور یہاں اپنی ایک زندگی بنائے۔ انسان کو یہ موقع ذاتی عطیہ کے طور پر نہیں دیا گیا ہے بلکہ اس کا مقصد صرف ایک ہے، اور وہ آزمائش ہے۔ انسان کو زمین پر بسا کر ہر ایک کا ٹیسٹ لیا جا رہا ہے اور یہ دیکھا جا رہا ہے کہ کون اس ٹیسٹ میں اپنے کو اچھا ثابت کرتا ہے اور کون برا۔

اس آزمائشی صورت حال نے ہر ایک کے لیے دو میں سے ایک کے انتخاب کا موقع دے دیا ہے۔ اب کوئی اقرار کرنے والا ہے اور کوئی انکار کرنے والا، کوئی متکبر بن کر رہتا ہے اور کوئی متواضع بن کر، کوئی فرماں بردار ثابت ہوتا ہے اور کوئی نافرمان، کوئی مادی روش اختیار کرتا ہے اور کوئی ربانی روش۔

اس امتحان کی حالت نے ہر شخص کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا ہے جہاں اس کو دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے — دنیا کا یا آخرت کا۔ دنیا کے فائدے دکھائی دیتے ہیں اور آدمی کو فوراً حاصل ہو جاتے ہیں، اس کے برعکس آخرت کا فائدہ دکھائی نہیں دیتا اور وہ موت کے بعد کسی آدمی کو ملے گا۔ اب ایک انسان وہ ہے جو خدا کو اپنا مرکز توجہ بنائے جس کا مقصود بعد کو آنے والی آخرت ہو، جو آج کی طیبات کو چھوڑے اور آخرت کی طیبات کو وہ اپنی تمناؤں کا مرکز بنائے۔ ایسا انسان خواہ دنیا میں بظاہر کامیاب نہ ہو مگر آخرت کی کامیابی یقینی طور پر اسے حاصل ہوگی۔ دوسرا انسان وہ ہے جو اپنے مواقع کو دنیا کی دولت اور عزت کے حصول میں لگا دے۔ ایسے لوگ آخرت کی خوشیوں اور لذتوں میں کوئی حصہ نہیں پائیں گے۔

پڑوسی کا حق

قرآن و حدیث میں پڑوسی کا بہت حق بتایا گیا ہے۔ امام بخاری نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ اس کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پڑوسی قریب ہونے کی وجہ سے شفع کا زیادہ حق دار ہے (الجارُ احقُّ بسقَبِہٖ) مشکاۃ المصابیح ۸۹۳/۲

حضرت ابو رافع کے واقعات کے ذیل میں بتایا گیا ہے کہ مدینہ میں ان کے دو مکانات تھے۔ ان میں سے ایک مکان وہ فروخت کرنا چاہتے تھے۔ ایک شخص نے اس مکان کو پانچ سو دینار نقد دے کر خریدنا چاہا مگر ساتھ ہی اس مکان کے ایک اور خواہش مند تھے اور وہ حضرت سعد بن وقاص تھے جو حضرت ابو رافع کے پڑوسی تھے۔ انھوں نے اپنے مکان کو حضرت سعد کے ہاتھ فروخت کر دیا اگرچہ اپنی پیش کش کے مطابق، انھوں نے صرف چار سو دینار ادا کیے اور وہ بھی قسطوں میں۔ اس موقع پر حضرت ابو رافع نے کہا کہ پڑوسی ہونے کے اعتبار سے سعد بن وقاص اس مکان کے زیادہ حق دار ہیں۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک ایک بہت بڑا دینی عمل ہے۔ آدمی کو اس عمل کا بہترین بدلہ آخرت میں ملے گا۔ تاہم دنیا کے اعتبار سے بھی اس اسلامی تعلیم کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس میں دنیوی حکمت کے بے شمار پہلو چھپے ہوئے ہیں۔

ایک شخص جو آپ کے پڑوس میں ہے وہ آپ کا صبح و شام کا ساتھی ہے۔ اس سے بار بار سابقہ پیش آتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ کا پڑوسی اگر آپ سے ناراض ہو تو وہ بے شمار طریقوں سے آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ آپ کے معاملات میں غیر جانب دار ہو جائے تب بھی اس کی غیر جانبداری آپ کے لیے سخت مضر ثابت ہوگی۔

آپ کے حسنِ سلوک نے اگر آپ کے پڑوسی کو آپ کا دوست بنا رکھا ہو۔ آپ کے احسانات کی بنا پر اس کی فطرت یہ کہہ رہی ہو کہ مجھے بھی احسان کا بدلہ احسان سے دینا چاہیے، تو ایسا پڑوسی آپ کے لیے تمام قیمتی چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ آپ اس کو جتنا فائدہ پہنچائیں گے اس سے کہیں زیادہ فائدہ آپ کو اس کی طرف سے ملے گا۔

جنت والے

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ سے پوچھا گیا کہ وہ کیا چیز ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ جنت میں لے جائے گی۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کا تقوی اختیار کرنا اور بہتر اخلاق (سئل رسول اللہ ﷺ عن اکثر ما یدخل الناس الجنة– قال تقوی اللہ وحسن الخلق) الترمذی۔

کسی آدمی کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ وہ دنیا میں ایسی زندگی گذارے کہ جب وہ مر کر اگلی دنیا میں پہنچے تو وہاں اس کو جنت میں رہنا نصیب ہو، وہ وہاں ابدی خوشیوں کی زندگی پا سکے۔ اسی کامیاب زندگی کا راز اس حدیث میں بتلایا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی چیز تقوی کی روش ہے۔ یعنی خدا کو بڑا مان کر اس سے ڈرتے رہنا۔ اپنے آپ کو خدا کے سامنے جوابدہ سمجھنا۔ یہ یقین کرنا کہ میں کسی بھی حال میں خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ میرے کھلے اور چھپے تمام احوال خدا کے علم میں ہیں۔ میری کوئی بھی تدبیر مجھ کو خدا سے بچانے والی نہیں۔

یہ یقین جس آدمی کے دل میں آجائے اس کی پوری زندگی بدل جاتی ہے۔ وہ آزاد زندگی کو چھوڑ کر پابند زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں اپنے آپ کو غیر ذمہ دارانہ روش سے بچاتا ہے۔ اور ذمہ دارانہ روش کو اختیار کرتا ہے۔ یہ عقیدہ اس سے گھمنڈ اور انانیت جیسے جذبات کو چھین لیتا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں خدا کا فرماں بردار بندہ بن جاتا ہے۔

جنتی انسان کی دوسری صفت یہ ہے کہ اس کا کردار جنتی کردار بن جاتا ہے۔ لوگوں کے درمیان وہ اسی دنیا میں اس طرح رہنے لگتا ہے جس طرح آخرت میں جنت کے باشندے آپس میں رہیں گے۔ اس کے دل میں لوگوں کے لئے خیر خواہی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی زبان میٹھے بول سے تر رہتی ہے۔ وہ لوگوں سے اس طرح ملتا ہے جیسے ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی سے ملے۔ دوسروں سے معاملہ کرنے میں وہ ہمیشہ انصاف پر قائم رہتا ہے۔ جب بھی وہ لوگوں سے کوئی معاملہ کرتا ہے تو اس وقت اخلاقی اور انسانی اصول اس کے رہنما ہوتے ہیں نہ کہ محض ذاتی مفادات۔

نیکی کرنا

قرآن میں زندگی کے جو اصولی احکام بتائے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ نیک کام کرے کیوں کہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو۔ یہ یاد دہانی ہے یاد دہانی حاصل کرنے والوں کے لئے ﴿إن الحسنٰت يذهبن السيأت ذٰلك ذكرىٰ للذاكرين﴾ ہود ۱۱۔

موجودہ دنیا میں رہتے ہوئے انسان سے بار بار کوئی غلطی یا برائی ہو جاتی ہے کبھی خدا کی نسبت سے اور کبھی انسان کی نسبت سے۔ آدمی کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ جو غلطی یا برائی اس سے ہوئی ہے وہ اس کو مٹا کر ختم کر دے۔ ایسی حالت میں انسان کو کیا کرنا چاہئے، اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔

وہ جواب یہ ہے کہ آدمی سے جب کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اس کے بعد وہ نیکی کا کوئی کام کرے۔ اس طرح اس کی غلطی کی تلافی ہو جائیگی۔ اس کا اچھا عمل اس کے برے عمل کو ڈھانپ لے گا۔ وہ اس کو ایسا کر دے گا گویا کہ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ خدا کی عبادت میں اگر کمی ہو جائے تو آدمی کو چاہئے کہ وہ مزید عبادت کر کے اس کی تلافی کرے۔ وہ خدا کے لئے مزید بندگی اور وفاداری کا عمل انجام دے کر خدا کی رحمت کو دوبارہ اپنی طرف متوجہ کر لے۔ اس طرح وہ دوبارہ اطمینان قلب کا درجہ حاصل کر لے گا۔

انسان کی نسبت سے اگر کوئی غلطی واقع ہو تو اس کی تلافی کی مختلف صورتیں ہیں۔ مثلاً اگر آپ نے کسی کو برا کہہ دیا یا اس کو گالی دیدی تو آپ کو چاہئے کہ اس سے مل کر اس سے معافی مانگیں اور تعلقات کو دوبارہ معتدل بنائیں۔ غلطی پر معافی مانگنا بیک وقت اپنے اندر دو فائدے رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ ایسا کر کے آدمی اپنے آپ کو احساس گناہ کی شرمندگی سے بچا لیتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آپ نے جس آدمی کے دل کو تکلیف پہنچائی ہے اس کی شکایت کو رفع کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ ہے۔

اسی طرح برائی کے بعد نیکی کرنے کی ایک اور صورت یہ ہے کہ اس کے لئے مال خرچ کیا جائے۔ جس آدمی کے ساتھ برائی کا فعل ہوا ہے اس کو تحفہ دینا یا مالی مدد پہنچانا۔ اس کے نام پر مال کا صدقہ کرنا۔ اگر آپ نے کسی کو مالی نقصان پہنچایا ہے تو نقصان کے بقدر اس کی تلافی کرنا، وغیرہ۔

غیبت کا کفارہ

پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم اس کے حق میں بخشش کی دعا کرو جس کی تم نے غیبت کی ہے۔ تم یہ کہو کہ اے اللہ، تو مجھ کو اور اس کو بخش دے (إن من كفارة الغيبة أن تستغفر لمن اغتبته تقول اللهم اغفر لنا وله) البیہقی۔

اجتماعی زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کی زبان سے دوسرے کے لئے کچھ برے الفاظ نکل جاتے ہیں۔ جو غیبت کی تعریف میں آتے ہیں، جس کو اگر صاحب معاملہ سنے تو اس کو سخت تکلیف ہوگی۔ غیبت کو خدا کے دین میں گناہ بتایا گیا ہے۔ ایسی حالت میں وہ شخص کیا کرے جس کی زبان سے اپنے بھائی کے لئے غیبت والے الفاظ نکل گئے ہیں۔ اس نے اپنے بھائی کے حق میں اس کی غیر موجودگی میں ایسے کلمات کہہ دئے ہیں کہ اگر وہ اس کو سنے تو اس کے دل کو تکلیف پہنچے گی۔

اس کا حل دین میں یہ بتایا گیا ہے کہ آدمی اس کے حق میں دعا کرے جس کے خلاف غیبت کے الفاظ اس کی زبان سے نکل گئے ہیں۔ وہ اپنے لئے خدا سے بھلائی مانگے اور اپنے بھائی کے لئے بھی خدا سے بھلائی کی درخواست کرے۔ وہ اپنی اصلاح کا طالب بھی ہو اور اپنے بھائی کی اصلاح کا طالب بھی۔ اس قسم کی دعا سادہ طور پر کچھ الفاظ بولنے کا نام نہیں۔ وہ اس شخص کے حق میں خیر خواہی کا اظہار ہے جس کے خلاف غیبت کا فعل ہوا تھا۔ غیبت اپنی حقیقت کے اعتبار سے نفرت اور بد خواہی کا عمل ہے۔ اگر کسی سے اس قسم کا عمل سرزد ہو جائے تو آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے دل سے نفرت اور بد خواہی کے جذبات کو نکالے اور اس کی جگہ متعلق شخص کے حق میں محبت اور خیر خواہی کے جذبات پیدا کرے۔ اسی محبت اور خیر خواہی کا ایک اعلیٰ اظہار وہ ہے جس کو اس حدیث میں دعا کہا گیا ہے۔

جس سماج میں غیبت عام ہو جائے وہ سماج نفرت اور بے اعتمادی کا سماج بن جائے گا۔ کسی سماج کو اس بگاڑ سے بچانے کی تدبیر یہ ہے کہ لوگوں کے اندر یہ اسپرٹ پیدا کی جائے کہ جب کبھی ان کی زبان سے غیبت کے الفاظ نکل جائیں تو اس کے بعد وہ نیک دعاؤں سے دوبارہ اس برائی کو دھو دیں۔

بد گمانی

صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ روایت آئی ہے کہ پیغمبر اسلام نے لوگوں کو ہدایت دیتے ہوئے کہا کہ تم لوگ گمان سے بہت زیادہ بچو، کیوں کہ گمان سب سے بڑا جھوٹ ہے (ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث) متفق علیہ۔

گمان یہ ہے کہ آدمی پوری معلومات کے بغیر کسی کے بارے میں ایک رائے قائم کرلے۔ ہر آدمی کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے۔ ہر آدمی کا عمل بہت سے اسباب کے تحت ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کامل تحقیق کے بغیر کسی کے عمل کی حقیقت کو جاننا ممکن نہیں۔ کوئی شخص کسی کا صرف ایک عمل دیکھ کر اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرلے تو یہ گمان ہوگا۔ اور گمان کسی کے لئے بھی جائز نہیں۔

آدمی کے ہر عمل کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں، اس لئے اس کی توجیہات بھی متنوع اور مختلف ہوتی ہیں۔ دوسروں کے بارے میں آدمی کا مشاہدہ یا تجربہ ہمیشہ جزئی مشاہدہ اور تجربہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کسی کی ایک روش کو دیکھ کر اس کے خلاف برا گمان کرنا گویا جزئی علم کو کلی علم سمجھ لینا ہے۔ ناقص معلومات پر کامل واقفیت کا دعوی کرنا ہے۔ اس لئے کسی کے خلاف بد گمانی عین اسی قسم کی ایک چیز بن جاتی ہے جیسا کہ جھوٹ۔

جھوٹ اخلاقی حیثیت سے انتہائی معیوب کلام ہے۔ وہ خدائی شریعت کے اعتبار سے سراسر ناجائز ہے۔ ایسی حالت میں جو آدمی کسی کے خلاف بد گمانی کرتا ہے تو وہ ایک بے حد سنگین جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ ایسا کرکے وہ خدا کی نظر میں اپنے آپ کو ایک غیر مطلوب بندہ بنالیتا ہے۔ اور انسانوں کی نظر میں وہ ایک ایسا شخص بن جاتا ہے جس سے تمام لوگ نفرت کریں۔ جس کو سماج میں باعزت درجہ نہ ملے۔

گمان کی بنیاد پر کسی کے خلاف رائے قائم کرنے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی کوئی رائے ہی قائم نہ کرے۔ آدمی رائے قائم نہ کرنے کے لئے آزاد ہے۔ مگر رائے قائم کرتے ہی وہ قابل مواخذہ ہو جاتا ہے۔

اچھا گمان کرنا جائز ہے۔ اور برا گمان کرنا بلاشبہ ناجائز

اعلیٰ کردار

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ تم اس سے جڑو جو تم سے کٹے اور تم اس کو دو جو تم کو محروم کرے۔ اور تم اس کو معاف کر دو جو تم پر ظلم کرے (تصل من تطعك وتعطى من حرمك وتعفو عمن ظلمك)۔

اس حدیث میں کردار کا وہ طریقہ بتایا گیا ہے جو کسی انسان کو اعلیٰ انسان بناتا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ آدمی رد عمل کی نفسیات سے پاک ہو۔ اس کا اخلاق جوابی اخلاق نہ ہو بلکہ وہ اعلیٰ انسانی اصولوں کے تحت متعین ہوا ہو۔ وہ ہر ایک سے یکساں طور پر حسن اخلاق کا رویہ اختیار کرے، خواہ اس سے اچھا تجربہ ہوا ہو یا برا تجربہ۔

سماجی زندگی میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کو آپ سے شکایت ہوتی ہے اور وہ آپ سے قطع تعلق کر لیتا ہے یا سلام و کلام بند کر دیتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ کو بھی وہی نہیں کرنا ہے جو اس نے آپ کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے برعکس آپ کو یک طرفہ طور پر اس سے ملنا ہے۔ آپ کو یک طرفہ طور پر اس سے سلام و کلام جاری رکھنا ہے۔ یہ سب کچھ محض ظاہری طور پر نہیں بلکہ دل کی پوری آمادگی کے ساتھ ہونا چاہئے۔

اسی طرح کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص آپ سے غصہ ہو جاتا ہے اور جو کچھ وہ آپ کو دے رہا تھا اس کو دینا بند کر دیتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ کو یہ نہیں کرنا چاہئے کہ آپ بھی اس کو جو کچھ دے سکتے ہیں وہ اسے نہ دیں۔ اس کے برعکس آپ کو اپنے عطیات کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔ آپ جو کچھ اسے دے سکتے ہیں، وہ ضرور اسے دیں۔ اور دینے کے بعد کسی واپسی کی امید نہ رکھیں۔

اسی طرح اجتماعی زندگی میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جو آپ کی نظر میں ظلم ہوتا ہے۔ اس وقت آپ کے دل میں غصہ بھڑک اٹھتا ہے۔ مگر اعلیٰ انسانیت یہ ہے کہ آپ غصہ کو ختم کر دیں۔ ظلم کرنے والے کو معاف کر کے دوبارہ اس کے ساتھ اپنے تعلقات کو معتدل بنالیں۔

صحت فکر

روایات میں پیغمبر اسلام ﷺ سے جو دعائیں نقل کی گئی ہیں، ان میں سے ایک دعاء یہ ہے:
اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ وارانا الاشیاء کما ھی (اے اللہ، تو ہمیں حق کو حق کی صورت میں دکھا اور ہمیں اس کی پیروی کی توفیق دے اور ہمیں باطل کو باطل کے روپ میں دکھا اور ہمیں اس سے بچنے کی توفیق دے۔ اور اے اللہ، تو ہمیں چیزوں کو ویسا ہی دکھا جیسا کہ وہ ہیں)۔

موجودہ دنیا میں انگنت چیزیں ہیں، اور ہر چیز کے بے شمار پہلو ہیں۔ اسی طرح خود انسان بھی چیزوں کو کسی ایک ہی زاویہ سے نہیں دیکھ پاتا۔ ہر شخص اپنی ذہنی اور قلبی حالت کے تحت چیزوں کو مختلف زاویہ سے اور مختلف رخ سے دیکھتا ہے۔ اس بنا پر ہر آدمی کے لئے اور ہر وقت یہ اندیشہ رہتا ہے کہ وہ کوئی خلاف واقعہ رائے قائم کرلے، وہ ایک ایسی رائے قائم کرلے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو۔

ایسی حالت میں آدمی اگر کوئی درست رائے قائم کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اسے بہت زیادہ اہتمام کرنا پڑے گا۔ وہ سارے متعلق پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اپنی رائے بنائے۔ اسی کے ساتھ وہ مسلسل خدا سے صحت فکر کی دعا کرتا رہے۔ کیوں کہ کوئی بھی شخص خدا کی مدد کے بغیر اس دنیا میں درست رائے تک نہیں پہنچ سکتا۔

اس دنیا میں چیزیں اس طرح ملی جلی ہیں کہ ہر وقت یہ اندیشہ ہے کہ آدمی حق کو باطل کے روپ میں دیکھ لے، اور باطل اس کو حق کے روپ میں دکھائی دینے لگے۔ ایسی حالت میں غیر معمولی کوشش کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ آدمی حق کو حق کی صورت میں دیکھے، اور باطل اس کو صرف باطل کے روپ میں نظر آئے۔

یہ کسی آدمی کے لئے بہت بڑی نعمت ہے کہ اس کو وہ نگاہ حاصل ہو جائے جو چیزوں کو ویسا ہی دیکھنے لگے جیسا کہ باعتبار حقیقت وہ ہیں۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ سب سے زیادہ اسی کی کوشش کرے، وہ سب سے زیادہ اسی کو خدا سے مانگے۔

بھلی بات

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ بولے تو بھلی بات بولے، ورنہ چپ رہے (من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیراً او لیصمت)۔

دنیا کا اکثر بگاڑ کسی غلط بول کا نتیجہ ہوتا ہے اسی طرح دنیا کا اکثر بناؤ کسی اچھے بول کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایک بول سے لوگوں میں محبت بڑھتی ہے اور دوسرا بول لوگوں میں نفرت پھیلانے کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں سنجیدہ اور ذمہ دار آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان و قلم کو استعمال کرنے میں بے حد احتیاط کرے۔

زندگی میں بار بار ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کچھ لکھنا یا بولنا چاہتا ہے مگر لکھنا یا بولنا اسی انسان کے لئے جائز ہے جو مذکورہ پیغمبرانہ ہدایت پر عمل کرے۔ جو شخص اس ہدایت پر عمل نہ کر سکے اس کے لئے لکھنا اور بولنا سرے سے جائز ہی نہیں۔

اس معاملہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی کے پاس کہنے کے لئے ایک ایسی بات ہے جو دوسروں کے بارے میں اچھا گمان پیدا کرنے والی ہے۔ جس کی اشاعت سے لوگوں کے درمیان محبت کی فضا پیدا ہونے کی امید ہے۔ جو واضح طور پر ایک ایسی بات ہے جس سے لوگوں کے اندر مثبت ذہن یا تعمیری شوق پیدا ہونے والا ہے۔ اس قسم کی بات بلاشبہ ایک بھلی بات ہے اور اس کو کہنے پر خدا کی طرف سے کوئی پابندی نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ جو بات لکھنے یا کہنے جا رہے ہیں وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک منفی بات ہے۔ اندیشہ ہے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کے اندر بدگمانیاں پیدا ہوں۔ لوگوں کے اندر اشتعال بھڑکے۔ لوگ ایک دوسرے کے خلاف نفرت کرنے لگیں۔ انسانیت دوست اور دشمن میں تقسیم ہو جائے۔ ایسی صورت میں آپ کے اوپر لازم ہے کہ آپ چپ رہیں، نہ کہ بول کر انسانیت کے مسائل میں اضافہ کا سبب بن جائیں۔

عافیت کا راز

پیغمبر اسلام ﷺ کے ایک صحابی حضرت عمیر بن حبیب بن حماشہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ جو آدمی نادان کے چھوٹے شر پر راضی نہ ہوگا۔ اس کو نادان کے بڑے شر پر راضی ہونا پڑے گا (من لا یرضی بالقلیل مما یاتی به السفیه یرضی بالکثیر) الطبرانی۔

موجودہ دنیا ہر قسم کے انسانوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں اگر اچھے لوگ ہیں تو اسی کے ساتھ برے لوگ اور نادان لوگ بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ امتحان کی مصلحت کی بنا پر ان میں سے ہر ایک کو آزادی حاصل ہے۔ اس لئے موجودہ دنیا میں حالات کبھی معتدل نہیں رہتے۔ یہاں بار بار ایک کو دوسرے سے شکایت پہنچتی ہے۔ یہاں بار بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے لئے کسی نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ سب ہنگامہ حیات کا نتیجہ ہے۔ اس سے بچنا کسی بھی حال میں ممکن نہیں۔

اب ایک شخص وہ ہے کہ جب اس کو کسی سے تکلیف پہنچے تو وہ فوراً اس کا بدلہ لینے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ وہ تکلیف پہنچانے والے کو سبق دینا چاہے۔ مگر موجودہ دنیا میں اس قسم کی جوابی کاروائی کا نتیجہ مزید برائی کے سوا اور کچھ نہیں۔

یہاں عقل مند وہ ہے جو چھوٹی تکلیف کو برداشت کر لے تاکہ وہ بڑی تکلیف سے بچ سکے۔ ابتدائی تکلیف ہمیشہ چھوٹی تکلیف ہوتی ہے اور دوبارہ پیش آنے والی تکلیف زیادہ بڑی تکلیف۔ اس لئے ابتدائی تکلیف کو برداشت کر لینا اپنے نتیجہ کے اعتبار سے بڑے شر کے مقابلہ میں چھوٹے شر کو گوارہ کرنا ہے۔

موجودہ دنیا میں انتخاب (چوائس) بے شر اور شر کے درمیان نہیں ہے بلکہ چھوٹے شر اور بڑے شر کے درمیان ہے۔ ایسی حالت میں چھوٹے شر کو گوارہ کر لینا عقل مندی ہے نہ کہ بے شر کی طرف دوڑنا، کیوں کہ بے شر حالت اس دنیا میں سرے سے ممکن ہی نہیں۔

یہ فطرت کا اصول ہے۔ اور اس دنیا میں کوئی کامیابی فطرت کی پیروی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے نہ کہ اس سے انحراف کے ذریعہ۔

برداشت کا فائدہ

حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے غصہ کو ضبط کرے جب کہ وہ اس کے نفاذ پر قادر ہو تو اللہ اس کے دل کو ایمان اور سلامتی سے بھر دیتا ہے (من کضم غضبا وھو یقدر علی انفاذہ ملأ اللہ قلبہ امنا وایمانا)۔

یہ پیغمبرانہ تعلیم انسانیت کی تعمیر کے لئے شاہ کلید کی حیثیت رکھتی ہے۔ جن افراد کے اندر یہ صفت ہو وہ اعلیٰ روحانی ترقی حاصل کریں گے اور جس سماج کے بیشتر لوگ اس صفت کے حامل ہوں وہ سماج امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گا۔

جب ایک آدمی کے اندر کسی کے خلاف غصہ آجائے اور وہ اس غصہ کے اظہار پر قادر ہو اس کے باوجود وہ غصہ کو اپنے اندر ہی اندر ضبط کر لے تو یہ کوئی سادہ معاملہ نہیں ہوتا۔ ایسا آدمی اپنے اس عمل کے ذریعہ اپنے اندر ایک نئی اخلاقی طاقت کو جنم دیتا ہے۔ وہ ترقی کر کے نیا انسان بن جاتا ہے۔

وہ اپنے اندر نفرت کے بجائے محبت کی پرورش کرتا ہے۔ وہ اپنی شخصیت کو انتقام کے بجائے معافی کے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ وہ اپنے اندر منفی نفسیات کو دباتا ہے اور اس کی جگہ مثبت نفسیات کو فروغ دیتا ہے۔ اس طرح غصہ کو ضبط کرنا اس کے لئے اپنی شخصیت کی تعمیر کے ہم معنے بن جاتا ہے۔

موجودہ دنیا میں مثبت شخصیت کی تعمیر کا سب سے بڑا کورس یہی ہے۔ اسی کورس سے گذر کر وہ آدمی بنتا ہے جو اعلیٰ انسانی صفات کا حامل ہو۔ جو لوگ غصہ کو ضبط کرنے کی اس تعلیم کو اختیار کرنے پر آمادہ نہ ہوں ان کی شخصیت کی اعلیٰ تعمیر بھی واقعہ بننے والی نہیں۔

غصہ کا اظہار شخصیت کو برہم کرتا ہے اور غصہ کو ضبط کرنا شخصیت کو سکون عطا کرتا ہے۔ غصہ اگر پیچھے کی طرف سفر ہے تو غصہ کو ضبط کرنا آگے کی طرف سفر۔ غصہ یہ ہے کہ آدمی حالات کے درمیان گھر کر رہ جائے اور غصہ کو ضبط کرنا یہ ہے کہ آدمی حالات سے اٹھ کر اپنے جینے کے لئے ایک بلند تر سطح حاصل کر لے۔ غصہ برداشت کرنے میں صرف فائدہ ہے، اور غصہ برداشت نہ کرنے میں صرف نقصان۔

تالیفِ قلب

قرآن میں زکوٰۃ کی ۸ مدیں بتائی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک مد وہ ہے جس کے لیے تالیف قلب کا لفظ آیا ہے (التوبہ ۶۰) اس سے مراد ہے الفت یا دل جوئی کے لیے خرچ کرنا۔ یہ مد اصلاً غیر مسلموں کے لیے رکھی گئی ہے تاکہ ان کے دل نرم ہوں اور وہ اسلام کی طرف مائل ہو سکیں۔

تالیفِ قلب سے مراد صرف مال خرچ کرنا نہیں ہے بلکہ وہ ایک مستقل اصول ہے جو دعوتی عمل میں مختلف پہلوؤں سے اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کو ایک لفظ میں دعوتی دل جوئی کہا جا سکتا ہے۔ اس دعوتی دل جوئی کی چند مثالیں یہ ہیں :

۱۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم لوگ فرعون سے نرم انداز میں اپنی بات کہنا (فقولا لہ قولاً لیناً) طٰہٰ ۴۴

حضرت موسیٰ کو یہ ہدایت فرعون کے مقابلہ میں دی گئی جو کہ معلوم طور پر ایک سرکش انسان تھا۔ اس لحاظ سے اس حکم کا مطلب یہ ہوا کہ مخاطب (یا مدعو) خواہ سرکشی کرے، خواہ وہ اشتعال انگیز انداز اختیار کرے، داعی کو ہر حال میں نرم انداز میں گفتگو کرنا ہے۔ اس کو یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو اس کا پابند بنانا ہے کہ وہ مدعو کی سخت کلامی کا اثر نہ لیتے ہوئے اپنی بات ٹھنڈے طریقہ سے کہے گا، وہ کسی حال میں بھی ردعمل کا طریقہ اختیار نہیں کرے گا۔

۲۔ قرآن میں اہل کتاب کو خطاب کرتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں : قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواءٍ بیننا وبینکم أن لا نعبد الا اللہ (آل عمران ۶۴) یعنی اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، یہ کہ ہم عبادت نہ کریں سوا ایک اللہ کے۔ یہ انداز کلام بھی تالیف قلب کی ایک مثال ہے۔ اس آیت میں کلمۃ سواء کا لفظ تقریب کے لیے ہے۔ وہ اس لیے ہے کہ مخاطب دعوت کو اجنبی سمجھ کر اس سے متوحش نہ ہو بلکہ اسے خود اپنی ایک چیز سمجھ کر اس کو قبول کرے ——— یہ دوری کو قربت میں تبدیل کرنے کی ایک حکیمانہ تدبیر ہے۔

۳۔ قرآن میں حکیمانہ دعوت کے لیے جو احکام دیے گئے ہیں ان میں سے ایک حکم یہ ہے : وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا (النساء ۶۳) اس آیت کا ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ان الفاظ میں کیا ہے : و بگو بایشاں سخنے موثر در دلِ ایشاں۔ یعنی ان سے ایسی بات کہو جو ان کے دل پر اثر کرنے والی ہو، جو ان کے اندر تک اتر جائے۔

قرآن کی یہ آیت منافقین کے ذیل میں آئی ہے جو کہ اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ اس اعتبار سے اس حکم کا مطلب یہ ہوا کہ فریق ثانی خواہ تمہارے خلاف اشتعال انگیز کارروائیوں میں مشغول ہو، تب بھی تم اعتدال کا رویہ نہ چھوڑو۔ تم ان کے رویہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ہر حال میں ان کے خیر خواہ بنے رہو۔ تم جب بھی ان سے خطاب کرو تو ایسے بہترین اسلوب میں خطاب کرو جو ان کو اپیل کرنے والا ہو، جو ان کو تمہارے قریب لائے، نہ کہ اور زیادہ تم سے دور کر دے۔

۴۔ تالیفِ قلب کی ایک رہنما مثال وہ ہے جو ہجرت کے بعد یہود کے معاملہ میں اختیار کی گئی۔ دین اسلام میں کعبہ کو عبادت کا قبلہ مقرر کیا گیا ہے۔ مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ گئے تو وہاں آپ نے بیت المقدس کو اپنا قبلۂ عبادت بنا لیا جو کہ یہود کا قبلہ تھا۔ ۱۶ یا ۱۷ ماہ تک آپ اور تمام مسلمان اسی کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ نیا حکم آیا اور آپ نے دوبارہ کعبہ کو اپنا مستقل قبلہ بنا لیا (فتح الباری ۸/۲۱)

پیغمبر اسلام نے کیوں ایسا کیا کہ وہ تقریباً ڈیڑھ سال تک یہود کے قبلہ کو اپنا قبلہ بنائے رہے اس کا سبب تالیفِ قلب تھا۔ آپ نے ایسا اس لیے کیا کہ یہود آپ سے اجنبیت کے بجائے قربت محسوس کریں اور اس طرح اسلام کے دائرہ میں آنا ان کے لیے آسان ہو جائے (فاختار القدس طمعًا فی ایمان الیھود و استمالتھم) تفسیر القرطبی ۲/۱۵۰

ان چند مثالوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تالیف قلب یا دل جوئی کا مطلب کیا ہے۔ یہ دعوتی اسلوب کا لازمی تقاضا ہے۔ داعی کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ناصحانہ اور حکیمانہ انداز میں اپنے مدعو تک اس بات کو پہنچائے جس کو وہ کامل حق سمجھتا ہے۔ یہ پہنچانا سادہ طور پر صرف اعلان کے معنی میں نہیں ہوتا، بلکہ وہ اخلاص اور خیر خواہی کے انداز میں ہوتا ہے۔ دعوت کا یہ پہلو داعی کو مجبور کرتا ہے کہ وہ تالیف قلب کی تمام شرطوں کو پورا کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو ادا کرے۔

تالیف قلب کی کوئی ایک یا چند متعین صورت نہیں۔ داعی کا مزاج اور زمانہ کے حالات کے لحاظ سے اس کی مختلف اور متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔ داعی کے اندر اپنے مدعو کے لیے خیر خواہی کا جذبہ اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ ہر طرح مدعو کی رعایت کرے گا، وہ ہر موقع پر خود ہی یہ جان لے گا کہ اسے اپنے مدعو کو راہ راست پر لانے کے لیے کیا اور کس طرح کرنا چاہیے۔

دعوت دراصل مدعو کے حق میں محبت اور خیر خواہی کا اظہار ہے۔ سچا داعی وہ ہے جو اپنے جذبات سے زیادہ مدعو کے جذبات کا لحاظ کرے۔ جو اپنی مصلحتوں پر مدعو کی مصلحت کو مقدم بنائے۔ جو اپنے وقار کو نظر انداز کر کے مدعو کے ساتھ عزت و احترام کا معاملہ کرے۔ اس یک طرفہ کردار کے بغیر دعوتی کام کی انجام دہی ممکن نہیں۔

ایک شخص کیچڑ میں پھنسا ہوا ہو اور آپ اس کو اس سے نکالنا چاہیں تو یقینی طور پر آپ کے دامن پر بھی کیچڑ کے کچھ نہ کچھ چھینٹے آجائیں گے۔ یہی معاملہ داعی اور مدعو کا بھی ہے۔ داعی جب مخلصانہ طور پر مدعو کو اس کی برائیوں سے بچانا چاہے اور تالیف قلب کی حد تک اس کی اصلاح کا حریص ہو جائے تو اس کے ساتھ بھی لازماً اس طرح کے معاملات پیش آئیں گے۔ مدعو کو بچانے کی کوشش میں جب وہ اس کے قریب جائے گا تو بظاہر اس کا دامن بھی کہیں نہ کہیں ملوث ہوتا ہوا دکھائی دے گا مگر داعی کے لیے یہ سب کچھ عین ثواب ہے۔ اس قسم کی چیزیں داعی کے مقام کو خدا کی نظر میں بڑھانے والی ہیں نہ کہ کسی بھی درجہ میں اس کے مقام کو گھٹانے والی۔

حدیبیہ پرنسپل

۶ ستمبر ۱۹۹۴ کو مسٹر آصف جیلانی (مقیم لندن) سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو آپ اکثر حدیبیہ کے اصول پر عمل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حدیبیہ کا معاہدہ پیغمبر اسلام نے تو وحی کی بنیاد پر کیا تھا، آج کے مسلمان کس طرح اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ حدیبیہ ہی نہیں بلکہ آپ کا ہر قول و فعل وحی کی بنیاد پر ہوتا تھا، جیسا کہ قرآن میں ہے: وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (النجم ۳-۴) پھر کیا آپ رسول اللہ کی ہر بات کو اسی عذر کی بنیاد پر چھوڑ دیں گے۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو ہر بات بذریعہ وحی بتائی۔ پھر آپ نے اس پر عمل کیا۔ اس طرح آپ کا قول و عمل ہمارے لئے نمونہ بن گیا۔

حدیبیہ ایک سنت رسول ہے۔ یہ کسی موقع کے لئے سنت ہے۔ اس کا اندازہ اس زمانہ کے حالات کے مطالعہ سے ہوتا ہے جب کہ حدیبیہ کا معاملہ کیا گیا۔ صورت حال یہ تھی کہ ہجرت کے بعد مخالفین اسلام نے جنگ چھیڑ دی۔ کئی جھڑپیں یا جنگیں ہوئیں۔ مگر وہ فیصلہ کن نہ بن سکیں۔ جنگی مقابلوں کے باوجود مکہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ حالاں کہ مکہ کو فتح کرنا مقصد رسالت میں شامل تھا تاکہ اس کو شرک اور بت پرستی سے پاک کیا جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں آپ نے حدیبیہ کا معاملہ فرمایا۔ اور اس کے نتیجے میں شاندار طور پر مکہ فتح ہوا۔

موجودہ زمانہ میں ہر جگہ مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ پچھلے ۲۰۰ سال سے وہ اپنے حریفوں سے مسلح ٹکراؤ کر رہے ہیں۔ مگر یہ ٹکراؤ مسلمانوں کے نقصان میں اضافہ کے سوا کوئی اور نتیجہ برآمد نہ کر سکا۔ اب مسلمانوں پر فرض کے درجہ میں ضروری ہو گیا ہے کہ وہ ٹکراؤ اور تصادم کے بے فائدہ تجربہ کو مزید نہ دہرائیں۔ وہ صلح حدیبیہ کے اصول کو مکمل طور پر اختیار کر لیں۔

اب تک انھوں نے جنگ کی قوت کو ناکام طور پر استعمال کیا۔ اب ان کو چاہئے کہ وہ امن کی قوت کو استعمال کریں۔ امن کی قوت کو استعمال کرنے ہی کا دوسرا نام حدیبیہ پرنسپل ہے۔ جس دن مسلمان سنت رسول کی روشنی میں ایسا فیصلہ کریں گے۔ اسی دن ان کی تاریخ بھی بدلنا شروع ہو جائے گی۔ ٹھیک اسی طرح جیسے دور اول کے مسلمانوں کی تاریخ اسی اصول کے استعمال سے بدل گئی تھی۔

مال کی پاکی

قرآن میں خدا پرست انسان کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ ـــــ جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ وہ پاکی حاصل کرے۔ اور اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ مگر صرف اپنے خدائے برتر کی خوشنودی کے لیے۔ اور عنقریب وہ خوش ہو جائے گا۔

اسلام میں اس بات کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے کہ آدمی اپنی کمائی کو صرف اپنے لیے خاص نہ کرے بلکہ اس میں سے دوسروں کو بھی دے۔ اپنے کمائے ہوئے مال کو صرف اپنے اوپر خرچ کرنا اور اس میں سے خدا کا اور انسان کا حصہ نہ نکالنا اسلام میں سخت گناہ ہے۔

کوئی شخص اگر اپنا مال دوسرے کو اس لیے دے کہ اس نے اس کے اوپر احسان کیا تھا تو یہ دینا اگرچہ کوئی برائی نہیں مگر صرف اس قسم کے عطیہ سے اسلامی تعلیم کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ احسان اتارنے کے لیے یا کسی اور جوابی فائدہ کے لیے دینے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جس کے لیے اسلام میں اپنا مال دوسروں پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

کوئی آدمی جب اپنے مال کا ایک حصہ دوسرے کو دیتا ہے یہ اس کی طرف سے ایک قسم کی قربانی ہوتی ہے۔ یہ اپنی ایک محبوب چیز میں دوسرے کو حصہ دار بنانا ہے، صرف اس لئے کہ وہ ضرورت مند ہے اور اللہ کی مرضی یہ ہے کہ مال والے لوگ اپنے مال کو دوسرے ضرورت مندوں کی مدد پر خرچ کریں۔

قرآن کے مطابق، کوئی آدمی نیکی کا درجہ نہیں پا سکتا جب تک وہ اپنے محبوب اثاثہ میں سے دوسروں کو نہ دے (آل عمران۔ ۹۲) یہ گویا محبت کی قربانی ہے۔ اور محبت کی قربانی ہی وہ سب سے بڑی قربانی ہے جو آدمی کی داخلی تطہیر کرتی ہے اور اس کو روحانی ترقی کی طرف لے جاتی ہے۔

جسم کی پاکی پانی سے ہوتی ہے، اور روح کی پاکی قربانی سے۔ آپ کے جسم پر کیچڑ لگ جائے تو آپ اس کو پانی کے ذریعہ پاک کر سکتے ہیں۔ لیکن آدمی کی اندرونی ہستی میں جو برائیاں پیدا ہوتی ہیں ان کو محبوب چیزوں کی قربانی ہی کے ذریعہ پاک کیا جا سکتا ہے۔

فرق کے ساتھ برابری

کچھ تعلیم یافتہ اصحاب اکٹھا تھے۔ گفتگو کا موضوع تھا: ہندستانی مسلمان۔ میں نے کہا کہ اس ملک میں ہندستانی مسلمانوں کے مسئلہ کا حل صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ یہاں کے مسلمان یک طرفہ طور پر ہندوؤں کے ساتھ ایڈجسٹ کریں۔ جب تک وہ ایسا نہیں کریں گے، وہ نقصان اٹھاتے رہیں گے، وہ کبھی اس ملک میں ترقی نہیں کر سکتے اور نہ امن و عافیت کے ساتھ رہ سکتے۔ ایک مسلمان نے کہا کہ ہندستان کا کانسٹی ٹیوشن تو یہاں کے تمام باشندوں کو بلالحاظ فرقہ اور مذہب، برابر (equal) کا درجہ دیتا ہے۔ پھر آپ ہم کو نابرابری کی تعلیم کیوں دے رہے ہیں۔ ہم کانسٹی ٹیوشن کو لیں یا آپ کی بات کو۔

میں نے کہا کہ میں نابرابری کی تعلیم نہیں دے رہا ہوں بلکہ حقیقت کی تعلیم دے رہا ہوں۔ آپ کے سوال کے جواب میں میں وہی کہوں گا جو ایک یہودی دانشور نے امریکہ کے یہودیوں سے اسی قسم کے سوال کے جواب میں کہا تھا۔ اس نے کہا یہ صحیح ہے کہ امریکی دستور کے اعتبار سے امریکہ کے یہودی اور امریکہ کے مسیحی دونوں برابر ہیں۔ مگر ایک اقلیت میں ہے اور دوسرا اکثریت میں۔ اس لیے زندگی کے بندوبست میں عملاً ان کے درمیان فرق رہے گا۔ اس کے بعد اس نے ایک یہودی کے اسی قسم کے سوال کے جواب میں کہا کہ ہاں، برابر مگر مختلف:

Yes, equal but different.

یہ کوئی تعصب اور امتیاز کی بات نہیں۔ یہ زندگی کا ایک یونیورسل اصول ہے۔ وہ ہر سماج میں رہتا ہے، حتی کہ خالص اسلامی سماج میں بھی۔ مثلاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا کہ تمام انسان برابر ہیں۔ مگر اس کے ڈھائی ماہ بعد جب آپ کی وفات ہوئی تو خلافت کے لیے یہ اعلان کیا گیا کہ قریش خلیفہ ہوں گے اور انصار وزیر اور مشیر (نحن الامراء و انتم الوزراء)

برابری کے باوجود عملی بندوبست میں یہ فرق ہمیشہ رہے گا۔ عورت اور مرد انسانی رتبہ کے اعتبار سے برابر ہیں مگر انتظامی تقسیم میں دونوں کے درمیان فرق ہے۔ امام اور مقتدی رتبہ کے اعتبار سے یکساں ہیں مگر عملی اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔ سردار اور غیر سردار دونوں رتبہ کے اعتبار سے یکساں ہیں مگر عملی پہلو سے دونوں میں فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وغیرہ۔

یہ فطرت کا ایک قانون ہے۔ کوئی بھی شخص اس کو بدلنے پر قادر نہیں۔ اس دنیا میں جو لوگ پیدا کیے جاتے ہیں، ان میں ہمیشہ استعداد اور حالات کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ فرق ایک ایسی ابدی حقیقت ہے جو ہمیشہ سے اس دنیا میں ہے اور وہ آخر وقت تک یہاں باقی رہے گا

ایسی حالت میں ہمارا کام فرق کو مٹانا نہیں ہے، بلکہ فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے سماجی اور قانونی اعتبار سے سب کو یکساں درجہ دینا ہے۔ فرق کو مٹانا ممکن نہیں۔ البتہ اس کو سماجی امتیاز تک پہنچنے سے روک دینا ممکن ہے، اور ہمیں یہی دوسرا کام کرنا چاہیے۔

جس سماج میں اس فطری حقیقت کو مانا جائے وہ سماج کامیاب ہوگا۔ اور جس سماج کے لوگ اس فطری حقیقت کو تسلیم نہ کریں وہ سماج تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ کیوں کہ فطرت کی قائم کی ہوئی حقیقتوں کو بدلنا کسی کے بس میں نہیں۔

اگر آپ کے راستہ میں ایک ابھری ہوئی چٹان ہو تو چٹان سے لڑ کر اس کو زمین کے برابر کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔ بلکہ اس سے کتراتے ہوئے اس کے دائیں بائیں کی طرف سے اپنا راستہ نکال لیجئے۔

اس اصول کو انسانی زندگی میں اختیار کرنا انسان کے آگے جھکنا نہیں ہے بلکہ وہ خدا کے آگے جھکنا ہے۔ یہ کسی انسان سے موافقت نہیں بلکہ خود خدا سے موافقت ہے۔ ایسے موقع پر موافقت کی روش کو وقار کا مسئلہ بنانا گویا خدا کے آگے سرکشی کرنا ہے، اور کون ہے جو خدا کے آگے سرکشی کر کے اس دنیا میں کامیابی حاصل کر سکے۔

حب وطن اور اسلام

۲۸ مارچ ۱۹۹۸ کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر (نئی دہلی) میں ایک سیمنار تھا۔ اس کا اہتمام اردو اکادمی کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اس کا موضوع مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت اور کارناموں کا جائزہ تھا۔ اس موقع پر میں نے بھی ایک تقریر کی۔ میں نے جو باتیں کہیں ان میں سے ایک حب الوطنی کا مسئلہ تھا۔

میں نے کہا کہ ۲۰ ویں صدی میں لمبی مدت تک مسلم مفکرین کسی نہ کسی طور پر اس نظریہ سے متاثر رہے ہیں جس کو عام طور پر پان اسلامزم کہا جاتا ہے۔ اس میں دور جدید کے بہت سے مفکرین کے نام شامل ہیں۔ مثلاً سید جمال الدین افغانی، اقبال، محمد علی، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ابوالکلام آزاد، وغیرہ۔ یہ لوگ مسلمانوں کو ایک بین اقوامی برادری سمجھتے تھے اور مسلمان کو ایک عالمی قومیت کا رکن بتاتے تھے اپنے اس نظریہ کی بنیاد پر ان کا کہنا تھا کہ قومیت "نیشن ھڈ" کی بنیاد مذہب پر ہے نہ کہ وطن پر۔

میں نے کہا کہ میری عمر ہجری کیلنڈر کے لحاظ سے ۸۰ سال ہو رہی ہے۔ میں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اسلام اور اسلام سے متعلق علوم کے مطالعہ میں گزارا ہے۔ میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ قومیت کو مذہب پر مبنی قرار دینا کوئی اسلامی نظریہ نہیں۔ یہ سراسر ایک سیاسی نظریہ ہے جو مخصوص حالات میں پیدا ہوا۔ ۲۰ ویں صدی کے نصف اول میں مسلمانوں کے سیاسی قائدین یورپی استعمار کے خلاف تمام دنیا کے مسلمانوں کو ابھارنا چاہتے تھے۔ اپنے اس سیاسی مقصد کے نظریاتی جواز کے لیے انھوں نے عالمی قومیت کا مذکورہ نظریہ پیش کیا۔ یہ اسلام کا سیاسی استحصال تھا نہ کہ اسلام کی حقیقی ترجمانی۔

اس معاملہ میں اسلام کا نقطۂ نظر وہی ہے جو پولیٹکل سائنس کا نقطۂ نظر ہے اور جس کو تمام دنیا میں نظری یا عملی طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ قومیت (نیشن ھڈ) کی بنیاد وطن (مدر لینڈ) پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا میں پاسپورٹ پر کسی آدمی کی قومیت (نیشنلٹی) وہی لکھی جاتی ہے جو وطن کی نسبت سے اس کی ہے، خواہ وہ ایک مذہب سے تعلق رکھنے والا ہو یا دوسرے مذہب سے۔ مثلاً انڈیا میں ہر مسلمان یا غیر مسلمان پاسپورٹ میں اپنے آپ کو انڈین لکھتا ہے، برطانیہ میں برٹش، امریکہ میں امریکن، وغیرہ۔

مبنی بر وطن قومیت کا یہ نظریہ اسلام کے عین مطابق ہے۔ اس معاملہ میں اسلام اور بقیہ دنیا میں کوئی اختلاف یا ٹکراؤ نہیں۔

مولانا سید حسین احمد مدنی نے کہا تھا کہ موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ اس پر کچھ لوگوں نے یہ اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ مولانا مدنی کا یہ جملہ خبر ہے، وہ انشاء نہیں۔ یعنی یہ ایک واقعہ ہے کہ بقیہ دنیا میں وطن کو قومیت کی بنیاد مان لیا گیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام میں بھی قومیت کی بنیاد وطن پر قائم ہے مگر یہ تشریح درست نہیں۔ اس سلسلہ میں یہاں میں چند باتیں عرض کروں گا۔

فقہ کا ایک مستقل اصول یہ ہے کہ چیزوں کا اصل ان کا مباح ہونا ہے (الاصل فی الاشیاء الاباحۃ)

Everything is lawful unless it is declared unlawful

یہ ایک واضح بات ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی براہ راست ہدایت موجود نہیں۔ قرآن وحدیث میں نہ یہ کہا گیا ہے کہ قومیت کی بنیاد مذہب پر ہے اور نہ یہ کہ اس کی بنیاد وطن پر ہے اس لیے اس معاملہ کو ان امور سے متعلق سمجھا جائے گا جن کی بابت پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ: (انتم اعلم بامور دنیاکم (تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ جانتے ہو) شرح مسلم ۱۱۸/۱۵

جہاں تک عقیدہ اور عبادت اور آخرت کے معاملات کا تعلق ہے، ان میں مسلمان پابند ہیں کہ وہ شریعت کی رہنمائی کو تاویل کے بغیر قبول کریں مگر جو امور انتظام دنیا سے تعلق رکھنے والے ہیں ان میں انسان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے حالات کے لحاظ سے جس طریقہ کو درست سمجھے اس کو اختیار کرے۔

اس معاملہ میں ایک پیغمبرانہ واقعہ سے مزید رہنمائی ملتی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یمن میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اس کا نام مسیلمہ تھا۔ اس نے دو آدمیوں پر مشتمل اپنا ایک سفارتی وفد مدینہ بھیجا انھوں نے مدینہ آکر پیغمبر اسلام سے ملاقات کی اور مدعی نبوت کا یہ تحریری پیغام پہنچایا کہ میں نبوت میں آپ کے ساتھ شریک کیا گیا ہوں (فانی قد اشرکت فی الامر معك)

مسیلمہ کے دونوں سفیروں سے کلام کرنے کے بعد آپ نے ان سے پوچھا کہ اس بارے میں تمہاری رائے کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہماری بھی وہی رائے ہے جو ہمارے صاحب کی رائے ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر ایسا نہ ہوتا کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا (اما واللہ لولا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقکما) سیرۃ ابن کثیر ۹۸/۴

پیغمبر اسلام کے اس واقعہ سے اسلام کا ایک اصول معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ بین اقوامی معاملات میں شریعت کا طریقہ بھی وہی ہوگا جو دوسری قوموں کا طریقہ ہے۔ دوسری قوموں میں اگر سفیر کی جان کو ہر

حال میں محترم سمجھا جاتا ہے تو اسلام میں بھی اس کو ہر حال میں محترم سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہنا بھی بالکل درست ہے کہ وطنیت کے معاملہ میں دنیا میں جس اصول کو عمومی طور پر مان لیا جائے وہی شریعت میں بھی اختیار کر لیا جائے گا۔ اس معاملہ کو غیر ضروری طور پر عقیدہ اور مذہب کا مسئلہ نہیں بنایا جائے گا۔

ایک بار میں ایک جلسہ میں شریک تھا۔ وہاں ایک صاحب نے اپنی تقریر میں حب وطن کی اہمیت بیان کی اور کہا کہ اسلام میں بھی اس کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ: حب الوطن من الایمان (وطن سے محبت کرنا ایمان کا ایک حصہ ہے) ایک عالم جو اس وقت جلسہ میں موجود تھے، انھوں نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ حب الوطن من الایمان کوئی حدیث نہیں ہے، یہ تو صرف ایک عربی مقولہ ہے۔

میں نے کہا کہ یہ درست ہے کہ حب الوطن من الایمان حدیث نہیں۔ مگر وہ سادہ طور پر صرف عربی کا ایک مقولہ نہیں بلکہ وہ فطرت کا ایک مقولہ ہے جو انسانی نفسیات کی ترجمانی کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ اسلام دین فطرت ہے اس لیے فطرت انسانی کا ہر صحیح تقاضا بھی عین اسلام کا تقاضا ہے۔ مثال کے طور پر حدیث میں کہیں یہ نہیں آیا ہے کہ حب الام من الایمان (ماں کی محبت ایمان کا حصہ ہے) اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ ہر مسلمان اس کو اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس کے دل میں اپنی ماں سے محبت ہو۔ جس آدمی کے دل میں اپنی ماں کی محبت نہ ہو وہ اپنے ایمان میں بھی کامل نہ ہوگا کیونکہ فطرت اور ایمان میں کوئی تضاد نہیں۔

میں نے کہا کہ جو چیز فطرت انسانی کا جزء ہو، اس کو قرآن و حدیث میں لکھنے کی ضرورت نہیں وہ قرآن و حدیث میں لکھے بغیر ہی شریعت کا ایک لازمی جزء ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ اے مسلمانو، تم اپنی ماں سے محبت کرو۔ کیونکہ یہ چیز حکم کے بغیر اپنے آپ ہی فطرت کے زور پر حاصل تھی۔ اسی طرح قرآن و حدیث میں یہ لکھنے کی ضرورت بھی نہیں کہ اے مسلمانو، تم اپنے وطن سے محبت کرو کیونکہ وطن سے محبت انسانی شرافت کا تقاضا ہے، وہ انسان ایک پست انسان ہے جس کے دل میں اپنے وطن کے لیے محبت نہ ہو۔ ایسے گہرے فطری تقاضے کے لیے شریعت میں کسی لفظی حکم کی ضرورت نہیں، وہ اپنے آپ ہر مومن کے دل میں پہلے ہی سے موجود ہوتا ہے۔

یہاں ایک معاملہ کی وضاحت ضروری ہے۔ بعض انتہا پسند ہندو لیڈروں نے لکھا ہے کہ ہندستان کے عیسائی اور مسلمان سچے محب وطن نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ محب وطن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس وطن یا اس جغرافی خطہ کو آدمی مقدس سمجھتا ہو جہاں وہ پیدا ہوا ہے۔ ہندو چونکہ اپنے وطن (ماتر بھومی) کو مقدس سمجھتا ہے اور اس کو معبود کا درجہ دیتا ہے اس لیے وہی بھارت کا سچا محب وطن (دیش بھگت) ہے۔ عیسائی اور مسلمان چونکہ اپنے مخصوص عقیدہ کی بنا پر زمین یا کسی زمینی خطہ کو معبود کی طرح مقدس نہیں سمجھ سکتے اسی لیے وہ بھارت کے سچے دیش بھگت بھی نہیں ہو سکتے۔

یہ ایک بے بنیاد بات ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے خود ساختہ عقیدہ کی بنا پر اپنی ماں کو معبود مان لے اور اس کی پرستش کرنے لگے تو اس بنا پر اس کو یہ کہنے کا لائسنس نہیں مل جائے گا کہ اس کے سوا بقیہ لوگ اپنی ماں سے محبت نہیں کرتے، کیونکہ وہ اپنی ماں کو معبود نہیں سمجھتے۔ کسی شخص یا گروہ کو بلاشبہ یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنی ماں کو (یا اپنے وطن کو) معبود سمجھنے لگے مگر کسی بھی قانون یا اصول کی بنا پر ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ دوسروں کے بارے میں یہ حکم لگائیں کہ وہ اپنی ماں کو (یا اپنے وطن کو) معبود مانیں، ورنہ وہ نہ اپنی ماں سے محبت کرنے والے قرار پائیں گے اور نہ اپنے وطن سے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے معاملات کا تعلق عالمی سطح پر مانے ہوئے رواج سے ہے نہ کہ کسی شخص یا گروہ کے اپنے مفروضہ سے۔ عالمی اور بین اقوامی سطح پر جب یہ مان لیا گیا ہے کہ قومیت کی بنیاد وطن پر ہے، اور وطن سے مراد معروف معنوں میں جغرافی وحدت ہے نہ کہ پُراسرار معنوں میں تقدیسی وحدت۔ اس لیے حب الوطنی کا معیار ہر ایک کے لیے یہی ہوگا۔ البتہ ہر ایک کو یہ آزادی حاصل رہے گی کہ وہ اس کے علاوہ کوئی اور عقیدہ پسند کرتا ہو تو اس کو اپنے لیے اختیار کر لے۔

نقصان میں فائدہ

دنیا کا نظام اس طرح بنایا گیا ہے کہ یہاں نقصان میں بھی فائدہ ہے۔ یہاں منفی واقعہ میں بھی مثبت پہلو چھپے ہوئے ہیں، اس کی ایک انوکھی مثال حال میں سامنے آئی ہے۔ انسان کے سر میں چوٹ لگنا بظاہر ایک بھیانک واقعہ ہے۔ امریکہ میں ہر قسم کی باتوں پر ریسرچ ہوتی رہتی ہے۔ کچھ ماہرین نے اس پر ریسرچ کی تو معلوم ہوا کہ چوٹ اگر قابل برداشت دائرہ میں ہو تو وہ انسانی دماغ کو متحرک کر کے اس کے اندر نئی زندگی پیدا کر دیتی ہے۔

جب دماغ کو کوئی صدمہ پہنچتا ہے تو وہ اس کی صلاحیتوں کو جگا دیتا ہے۔ دماغی خلل کی ایک انوکھی قسم جو دماغ کے بعض عمل کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہے وہ فنکارانہ صلاحیت میں اضافے کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بات ایک حالیہ مطالعہ سے معلوم ہوئی ہے۔ دماغ کے ایک حصہ کو صدمہ پہنچنا بعض دوسرے دماغی عمل کو زندہ کر سکتا ہے۔ یہ بات امریکی ڈاکٹر بروس ملر (Bruce Miller) نے بتائی جو امریکہ کی کیلی فورنیا یونیورسٹی میں ماہر علم الاعصاب کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ وہ اس تحقیقی ٹیم کے ناظم تھے جس نے اس موضوع کا علمی سروے کیا۔

When brain damage sparks talent

Washington: A rare form of dementia which causes the loss of many brain functions can also heighten the artistic talent of those afflicted, according to a study, reports Reuter. Damage to one part of the brain may somehow release functions that were previously suppressed, neurologist Dr Bruce Miller from the University of California at Los Angeles, who conducted the study, said yesterday.

(*The Hindustan Times*, New Delhi, May 2, 1998).

موجودہ دنیا کا نظام اس طرح بنا ہے کہ یہاں نہ صرف فائدہ والی چیزوں میں فائدہ ہے بلکہ ان چیزوں میں بھی فائدہ کا پہلو چھپا ہوا ہے جو بظاہر نقصان والی دکھائی دیتی ہیں۔ ایسی دنیا میں آدمی کے لئے کسی بھی حال میں مایوسی کا کوئی سوال نہیں۔

بہت عرصہ سے میں سوچ رہا تھا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ ۲۵ اگست ۱۹۹۶ کو نیویارک کے ایک اجتماع میں اس کی حقیقت سمجھ میں آئی۔ یہاں میری تقریر کے بعد حسب معمول سوال و جواب ہو رہا تھا۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ عقیدہ صرف قول کا نام ہے یا قول اور عمل دونوں کا۔ دوسرے صاحب جو غالباً سلفی تھے، انھوں نے اس پر زور دیا کہ آدمی کو صحیح العقیدہ ہونا چاہیے۔

میری سمجھ میں آیا کہ ساری خرابی غلط تقابل کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے۔ سلفی حضرات فاسد العقیدہ کا تقابل صحیح العقیدہ سے کرتے ہیں اور پھر سمجھ لیتے ہیں کہ ہم مطلوب عقیدہ پر قائم ہیں۔ "صحیح العقیدہ" کا لفظ غلط تو نہیں ہے مگر وہ ناقص ہے۔ کیوں کہ دونوں ہی صورتوں میں عقیدہ کیفیاتی حقیقت نہ رہ کر ایک کمیاتی حقیقت بن جاتا ہے۔ وہ ایک لفظی مجموعہ کی جگہ دوسرا لفظی مجموعہ ہے۔

حدیث کی زبان میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ کامل العقیدہ کا لفظ بولا جائے۔ یعنی خدا کو کامل معرفت کے درجہ میں پالینا۔ عقیدہ کی حیثیت اگر ایک لفظی مجموعہ کی جگہ دوسرے لفظی مجموعہ کی ہو تو بظاہر درست ہونے کے باوجود عقیدہ محض ایک اوپری چیز رہتا ہے۔ مگر جب عقیدہ کو کامل معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا —— خدا کی گہری معرفت (realisation) اور خدا جیسی ہستی کو آدمی جب ادراک اور معرفت کے درجہ میں پالے تو اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر ایسا ہوگا کہ اس کے اندر تواضع اور خشوع کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

سید محمد کلیم ایم ایس سی (پیدائش ۱۹۶۴) اسلام آباد (پاکستان) کے رہنے والے ہیں۔ آج کل وہ تلاشِ معاش کے سلسلہ میں کناڈا آئے ہوئے ہیں۔ یکم ستمبر کو فلاڈلفیا میں ان سے ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ پاکستان کے مقابلہ میں کناڈا اور امریکہ میں کیا فرق آپ نے دیکھا۔ انھوں نے کہا کہ بہت۔ جب تک میں اسلام آباد میں تھا، میرا غیر مسلموں سے کوئی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ یہاں آیا تو میں نے غیر مسلم سوسائٹی کو دیکھا۔ یہاں اسلام کی حقانیت مزید واضح ہوئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ پاکستان میں اگر روشنی ہے تو یہاں اندھیرا ہے۔ میں نے مثال پوچھی تو انھوں نے کہا کہ ہمارے یہاں مارل ویلوز ہیں یہاں کی سوسائٹی میں کوئی

مارل ویلوز نہیں۔ ہمارے یہاں فیملی سسٹم مضبوط ہے، یہاں فیملی سسٹم ٹوٹ رہا ہے۔

میں نے کہا کہ اگر ایک امریکن کہے کہ جب آپ کے ملک میں روشنی ہے اور یہاں اندھیرا، تو آپ لوگ روشنی کو چھوڑ کر اندھیرے میں کیوں چلے آئے۔ آپ لوگوں کو چاہیئے تھا کہ روشنی کی دنیا میں رہیں۔ وہ اس کا کوئی واضح جواب نہ دے سکے۔ آخر میں انھوں نے اعتراف کیا کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

خواجہ کلیم الدین صاحب نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ یہاں (99.99 percent) مسلمان حصولِ معاش کے لیے آتے ہیں نہ کہ اسلام کی دعوت کے لیے۔ لیکن اگر یہ آنے والے لوگ آنے کے بعد ایسا کریں کہ وہ دعوت کو پرائمری پوزیشن دیں اور حصولِ معاش کو سکنڈری پوزیشن دیں تو ان مسلمانوں کا یہاں آنا اور رہنا جائز (justified) ہو جائے گا۔ اس کے بعد یہاں دعوتی عمل بھی شروع ہو جائے گا۔

امریکہ میں مقیم ہندستانیوں کا غالباً سب سے بڑا اور سب سے معیاری اخبار (India Abroad) ہے جو ہفتہ وار چھپتا ہے اور ۵۶ صفحہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ بیک وقت چھ شہروں سے چھپتا ہے۔ میں نے اس کا شمارہ ۹ اگست ۱۹۹۶ دیکھا۔

اس میں ایک خبر یہ تھی کہ ۳۵ سالہ چک کوہلی (Chuck Kohli) نے انوسٹ کرنے والوں (investors) کے ساتھ ۳۰ ملین ڈالر کا فراڈ کیا۔ اس کے نتیجہ میں ان کو ۵، مہینہ کی سزا ہوئی اور اسی کے ساتھ جرمانہ بھی۔

دوسری خبر یہ تھی کہ قادیانی رہنما مرزا طاہر احمد نے ایک بیان میں کہا ہے کہ واشنگٹن نے ضیاء الحق کی مدد کی یہ جانتے ہوئے کہ وہ ایک مطلق ڈکٹیٹر ہیں جب کہ آپ ہمیشہ ڈکٹیٹر شپ کے خلاف بولتے ہیں :

Washington supported Zia-ul Haqq knowing him to be an absolute dictator, while at the top of your voices you tell the world that you are against dictatorships.

ایک نوجوان عالم پاکستان سے امریکہ آئے ہوئے ہیں۔ وہ یہاں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ میں امریکہ میں رہ کر یہاں

دعوتی کام کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ گفتگو کے دوران مولانا سید حسین احمد مدنی اور اس حلقہ کے دوسرے علماء کا ذکر ہوا۔ میں نے کہا کہ ان لوگوں کے تذکرہ میں لکھا رہتا ہے کہ "حضرت کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی" میں ان علماء کے اخلاص اور دین داری کا قائل ہوں۔ مگر انگریز تو ہمارے لیے مدعو کا درجہ رکھتے تھے، اور مدعو کے لیے نصح (خیر خواہی) کا حکم ہے۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ علماء انگریزوں سے نفرت کیوں کرنے لگے۔ مذکورہ پاکستانی عالم نے علماء کی اس منفی روش کو جائز ثابت کرنا شروع کر دیا۔

میں نے کہا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں مغربی دنیا میں آکر دعوت کا کام کرنا چاہتا ہوں، اور مغربی لوگوں کے لیے آپ کے سینہ میں خیر خواہی اور محبت نہیں۔ پھر آپ دعوت کا کام کیسے کریں گے۔ میں نے کہا کہ آج کل لوگوں نے دعوت کا کام یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسلام کی بالاتری ظاہر کر کے دوسری قوموں کے اوپر فخر کریں۔ یہ دعوت نہیں ہے بلکہ یہ قوم پرستی ہے۔ دعوت یہ ہے کہ دوسروں کو آپ اپنے جیسا انسان سمجھیں۔ آپ کے دل میں ان کے لیے محبت ہو۔ ان کی اصلاح کی خاطر آپ ان کی زیادتیوں کو نظر انداز کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ آپ ان کی نجات کے حریص بن جائیں۔ اس کے بغیر جو دعوتی کام کیا جائے گا وہ ایک مذاق ہو گا نہ کہ حقیقی معنوں میں دعوت الی اللہ۔

جولائی۔ اگست ۱۹۹۶ میں اٹلانٹا میں اولمپک کھیل ہوئے تھے۔ اس موقع پر شروع اگست میں وہاں پائپ بم پھٹا تھا جس سے کافی سراسیمگی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے چند دن بعد امریکی پریسیڈنٹ کلنٹن ٹی وی پر آئے۔ انھوں نے بم حادثہ پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ واقعہ بہت افسوس ناک ہے۔ مگر ہم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ ثبوت کے بغیر فوری طور پر کسی کو مجرم سمجھ بیٹھیں:

Let's not jump to any conclusions.

ایسے مواقع پر پہلے یہ ہوتا تھا کہ فوراً مسلمانوں پر شبہ کیا جانے لگتا تھا۔ مگر حال میں متعدد واقعات ایسے پیش آئے جن میں تحقیق سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے بعد فوراً مسلمانوں پر شبہ کرنے کا مزاج ختم ہو گیا۔ یہ بھی ایک سبق آموز بات ہے۔ کیوں کہ ہمارے معاشرہ میں تو یہ حال ہے کہ خواہ کچھ بھی ثابت ہو جائے، ایک بار اگر رائے خراب ہو گئی تو وہ ہمیشہ خراب ہی رہے گی۔

یہاں ایک امریکن مسلم کونسل (Tel. 202-7892262) ہے۔ اس نے ۲۲ اگست ۱۹۹۶ کو ایک صفحہ کا ایکشن الرٹ (action alert) چھاپ کر تقسیم کیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ امریکی میگزین نیوز ویک (۱۹ اگست ۱۹۹۶) نے مسٹر وڈورڈ (Kenneth L. Woodward) کا ایک آرٹیکل چھاپا۔ اس میں یہ تاثر دیا گیا تھا کہ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ طاقت کے ذریعہ اسلام کو دنیا میں پھیلایا جائے۔

اس الزام کا جواب دیتے ہوئے ایکشن الرٹ میں کہا گیا تھا کہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے صرف اس وقت دفاع کے لیے جنگ کی ہے جبکہ انھیں اکسایا گیا ہے یا ستم زدہ لوگوں کی درخواست پر۔ انھوں نے کبھی اسلام کو پھیلانے کے لیے جنگ نہیں کی:

Historically, Muslims have fought only when provoked, in defense of themselves, or at the request of the oppressed—never for the purpose of spreading Islam.

یہ ایکشن الرٹ مجھ کو ایک پاکستانی مسلمان نے دیا تھا۔ گفتگو کے دوران انھوں نے کہا کہ انڈیا نے ہمارے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ اس نے اپنی فوجی طاقت استعمال کر کے بنگلہ دیش بنوایا ہے۔ میں نے کہا کہ اپنے اس بیان میں آپ ماضی میں مسلمانوں کی اس فوج کشی کو جائز قرار دے رہے ہیں جو انھوں نے علاقہ کے ستم رسیدہ لوگوں کی درخواست پر کیا۔ پھر یہی تو انڈیا کا معاملہ بھی ہے۔ اس نے شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں کی فریاد پر بنگلہ دیش کے معاملہ میں مداخلت کی اور آخر میں اپنی فوجیں واپس بلالیں۔ آپ کو ڈبل اسٹینڈرڈ نہیں بننا چاہیے، یا تو آپ دونوں کو غلط کہیں یا دونوں کو درست قرار دیں۔ دُہرا معیار اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

یہاں ایک پمفلٹ نظر سے گزرا۔ اس میں ایک مسلم ماہر معاشیات نے یہ تجویز کیا تھا کہ مسلمان اپنی اقتصادیات کے ذریعہ ساری دنیا کو اپنے زیر اثر لا سکتے ہیں۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ منصوبہ بندی کے تحت ساری دنیا میں سرمایہ کاری کریں (ملاحظہ ہو نقشہ ذیل)۔ اس پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے ایک صاحب سے کہا کہ اس قسم کی تجویزیں محض خوش فہمی ہیں نہ کہ حقیقۃً تجویزیں۔ اس لیے کہ متناسب عالمی سرمایہ کاری صرف مطلوبہ رقم کا معاملہ نہیں ہے۔ وہ سب سے پہلے قومی شعور اور مجموعی ترقی کا معاملہ ہے۔ ہمارے یہاں نہ تو اس کے مطابق ضروری شعور موجود ہے اور نہ اس کو سپورٹ دینے والی مجموعی ترقی۔ ایسی حالت میں کسی بھی درجہ میں اس کا امکان نہیں کہ وہ کامیابی کی منزل تک پہنچ سکے۔

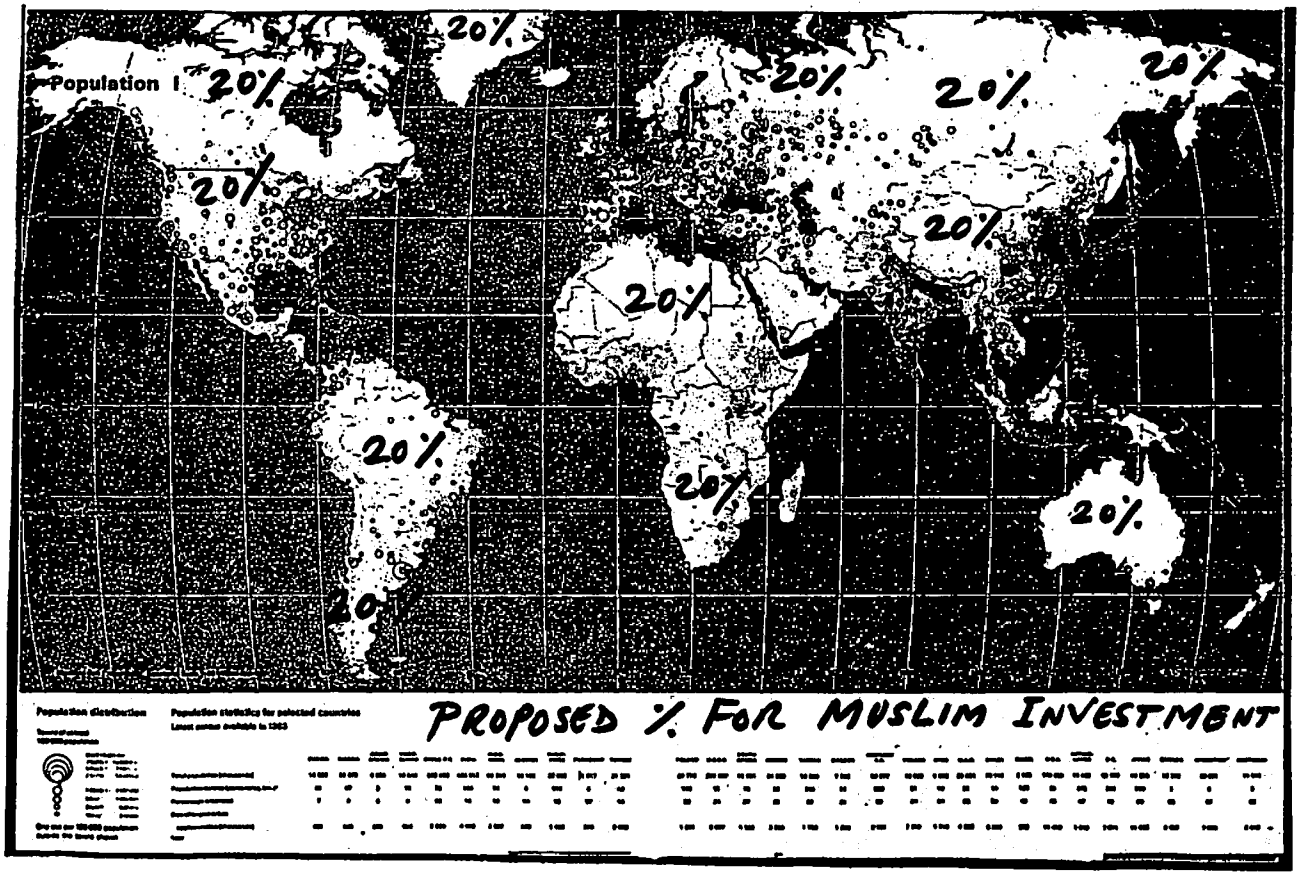
Population
20%
20%
20%
20%
20%
20%
20%
20%
20%
20%
PROPOSED % FOR MUSLIM INVESTMENT

ایک ہندستانی ماہنامہ میں "امریکہ میں ایک شاندار مسجد شہید کردی گئی" کے عنوان سے ایک مضمون چھپا تھا۔ اس کا ایک حصہ یہ تھا :

"اِن دنوں امریکہ اسلام دشمنی میں سرفہرست ہے۔ حالیہ چند مہینوں میں اسلام اور مسلمانوں کی توہین کے سلسلہ میں دو فلمیں امریکہ میں تیار کی گئی ہیں۔ ایک کا نام "سچا جھوٹ (True Lies) جو اِن دنوں ہندستان کے تین بڑے شہروں دہلی، آگرہ اور علی گڑھ میں انگریزی اور ہندی زبانوں میں دکھائی جا رہی ہیں۔ احتجاج کے باوجود حکومت ہند اس اسلام دشمن فلم پر پابندی عائد کرنے سے قاصر ہے۔ وجہ حکومت کے ذمہ داران جانیں۔ دوسری فلم ہے "امریکہ میں جہاد (Jihad in America) یہ فلم ۲۱ نومبر ۹۴ء امریکی ٹیلی ویژن کے (P.B.S. Channel) پر پورے امریکہ میں دکھائی گئی ہے۔ فلم کا خالق (Steven Emersion) دنیا میں اسلام دشمنی کے لیے مشہور ہے۔

بنگلور کے انگریزی نیم ماہی جریدہ "دلت وائس" (Dalit Voice) مورخہ ۱۔۱۵ مارچ ۱۹۹۵ کے شمارہ میں شمالی امریکہ کی اسلامی تنظیم "دائرۂ اسلام" کے صدر محترم جناب عبد الملک کا ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں موصوف نے یہ انکشاف کیا ہے کہ شمالی امریکہ کے "یوبا شہر" (Yuba City) میں ایک مسجد جو پچھلے چار سال سے زیر تعمیر تھی اور اب مکمل ہو چکی تھی، کو یکم ستمبر ۱۹۹۴ میں مسلمانوں سے نفرت کے اظہار کے طور پر امریکی حکومت نے جلا کر خاک کر دی۔ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔

اس شہر میں تقریباً ایک سو سے زیادہ مسلمان خاندان آباد ہیں۔ جن میں اکثریت پاکستانی مسلمانوں کی ہے جنھوں نے "یوبا شہر" کو اپنا وطن ثانی بنایا تھا۔ تین سو مسلمانوں پر مشتمل مسلمانوں کی یہ قوم یہاں ۱۹۵۰ سے آباد ہے جن کا ذریعہ معاش کاشت کاری ہے۔ اور یہ تمام مسلمان اسی مسجد میں روزانہ پانچ وقت خدا کے حضور میں سربسجود ہوتے تھے۔ لیکن دہشت گرد یہودیت و عیسائیت کے تنگنائے میں گھرا ہوا امریکہ مسلمانوں کی یہ دینی علامت بھی برداشت نہیں کر سکا۔" (رفیق منزل، اپریل ۱۹۹۵)

روم میں ۱۹۶۰ میں اولیمپک کھیل ہوئے تھے۔ اس میں باکسنگ چمپین محمد علی کلے، سابق نام (Cassius Marcellus Clay) کو سونے کا تمغہ ملا۔ اس کو لے کر وہ اپنے وطن لوئی ولے (Louisville) پہنچا۔ یہاں وہ جوش مسرت میں ایک سفید فام ہوٹل (all-white restaurant) میں چلا گیا۔ یہ سفید فام لوگوں کے لیے مخصوص تھا۔ ایک سیاہ فام

کو ہوٹل کے اندر دیکھ کر کئی امریکی لڑکے اس کے پیچھے دوڑ پڑے اور اس کو باہر بھگا دیا۔

اس واقعہ کا محمد علی کے لیے سخت اثر ہوا۔ روم کا تمغہ (جس کو سفید فام ممبروں پر مشتمل کمیٹی نے دیا تھا) اس کو اس نے غصہ میں دریائے اوہایو (Ohio) میں پھینک دیا۔ اب اٹلانٹا میں ہونے والے اولمپک کھیلوں میں مشعل روشن کرنے کے لیے جب اس کو بلایا گیا تو انٹرنیشنل اولمپک کمیٹی کے سفید فام پریسیڈنٹ (Juan Antonio Samaranch) نے سابقہ تمغہ کے بدل کے طور پر دوسرا طلائی تمغہ خود اپنے ہاتھ سے ۴ اگست ۱۹۹۶ کو محمد علی کلے کی گردن میں پہنایا۔

امریکی نوجوانوں کا مذکورہ فعل وقت کے تقاضے کے خلاف تھا۔ چنانچہ آخر کار وقت کا تقاضا غالب آیا اور محمد علی کو زیادہ شاندار طور پر امتیازی تمغہ سے نوازا گیا۔

بزنس پروموشن کے لیے یہاں جو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی چیز کی خریداری پر مزید ایک چیز تحفہ میں دی جائے۔ مثلاً گاہک نے دکان سے ایک تھرماس خریدا تو اس کو ایک بال پین تحفہ کے طور پر مفت دیا جائے۔ اس کو ایک جملہ میں اس طرح کہا جاتا ہے:

"Buy one, get one free"

تاجر اس انسان کا نام ہے جو قیمت لے کر چیز فراہم کرنے کے اصول کو جانتا ہو۔ مگر اس دنیا کا قانون یہ ہے کہ یہاں پانے کے لیے بھی دینے والا بننا پڑتا ہے۔ یہاں جو لوگ دینے والے بنیں وہی لوگ پانے والے بنیں گے۔ اس کے برعکس جو لوگ یہاں صرف لینے والے بن کر رہنا جانتے ہوں، وہ کبھی پانے والے نہیں بن سکتے۔

امریکہ میں اسلام قبول کرنے والے زیادہ تر مسلم صوفیوں سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ انھیں میں سے ایک محمد رحیم باوا محی الدین تھے۔ وہ سری لنکا سے تعلق رکھتے تھے، اور بالکل ناخواندہ تھے۔ وہ امریکہ آئے۔ وہ اپنی گفتگوؤں اور تقریروں میں، عام صوفیوں کی زبان میں بولتے تھے۔ ایک صاحب کے الفاظ ہیں، انھوں نے اسلام کو رحمت اور محبت اور امن اور اتحاد کے مذہب کی حیثیت سے پیش کیا:

He proclaimed an Islam of mercy and compassion, an Islam of peace and unity.

وہ تامل میں بولتے تھے۔ اسی وقت اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا جاتا تھا۔ بعد کو ان کا یہ کلام ایڈٹ کر کے مختلف کتابوں کی صورت میں چھاپا گیا۔ ایک کتاب کا نام یہ ہے :

Islam & World Peace: Explanations of a Sufi

یہ کتاب میں نے امریکہ کے زمانۂ قیام میں دیکھی۔ یہ ۱۹۴ صفحہ کی کتاب ہے جو فلاڈلفیا سے پہلی بار ۱۹۸۰ میں چھپی۔ اس میں سلام، قدرت، مومن، دولت، جہاد، صبر، شکر، توکل، اللہ اکبر، ایمان، اتحاد، کلمہ شہادت، علم، ام القرآن، رب العالمین، پر تقریریں ہیں۔ اس میں جہاد کو جہاد بالنفس بتایا گیا ہے۔ قرآن کو داخلی قرآن (inner Quran) کے طور پر پیش کیا گیا ہے، یہ سب کچھ انتہائی سادہ زبان میں ہے۔ دیباچہ نگار کے الفاظ میں وہ بچوں جیسے اسلوب (Childlike style) میں ہے۔

مغربی ملکوں کے لوگ جنگجو مسلمانوں سے متنفر ہیں۔ مگر عین اسی وقت وہ مسلم صوفیوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کے زور پر روحانی سکون کی تلاش میں ہیں۔ اور روحانی سکون کسی آدمی کو صوفیوں کے پُر محبت پیغام میں ملتا ہے سفید فام امریکی نومسلموں نے اس شمل صوفی کے نام پر ایک سینٹر قائم کیا ہے جس کو میں نے اس سفر میں دیکھا

ایک تقریر میں باواجی نے کہا کہ اسلام محبت اور سلامتی کا دین ہے۔ اگر ہم خدا کی محبت کو دنیا کے سامنے پیش کریں تو محبت ساری دشمنیوں کا خاتمہ کر دے گی :

Love will eat away all enmity. (p. 138)

موسم کی پیشین گوئی کرنے والا محکمہ یہاں بہت متحرک رہتا ہے۔ لوگ ہر روز اہتمام کے ساتھ اس کو ٹی وی پر سنتے ہیں۔ حتی کہ بہت سے لوگ اپنے باتھ روم میں ٹرانسسٹر لگائے رہتے ہیں تاکہ جب وہ باتھ روم میں ہوں اس وقت بھی وہ موسم کے بارہ میں اعلانات سنتے رہیں۔

یہاں کے اخباروں اور ٹی وی پر مسلسل اعلان آرہا تھا کہ اٹلانٹک میں شدید طوفان (hurricane) اٹھا ہے۔ وہ بڑھ رہا ہے اور ۲ ستمبر تک وہ نیویارک کے ساحل تک پہنچ جائے گا۔ اس کی رفتار ۱۱۰ میل فی گھنٹہ ہوگی۔ لوگ بہت پریشان تھے۔ مگر عین وقت پر اس نے اپنا رخ بدل دیا اور وہ مشرق کی طرف چلا گیا۔

۲ ستمبر سے پہلے یہاں ایک صاحب سے اس پر گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے کہا کہ موسم کے

بارہ میں پیشین گوئیاں کبھی بالکل قطعی نہیں ہوتیں۔ مگر وہ اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ یہاں موسم کی سائنس بہت ترقی کر چکی ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ میری موجودگی ہی میں یہاں مذکورہ واقعہ پیش آگیا۔ صفحہ کے نیچے یہاں نیویارک ٹائمس (۳ ستمبر) کی ایک تصویر نقل کی جا رہی ہے۔

نیویارک سے شائع ہوئے پاکستانی اخبار عوام کے شمارہ ۹۔۱۰ اگست ۱۹۹۶ء میں ایک پاکستانی شاعر کا یہ شعر پڑھا جو موجودہ زمانہ کے مسلم معاشرہ کی نہایت صحیح تصویر ہے:

ہر شخص بنا لیتا ہے اخلاق کا معیار   اپنے لیے کچھ اور زمانے کے لیے اور

پاکستان کے لوگ امریکہ میں بہت ہیں۔ اس لیے پاکستان کے کئی کئی اخبار اپنا امریکی ایڈیشن بھی چھاپتے ہیں۔ یہاں اس قسم کے کئی اخبار دیکھے۔ ان کی دو سرخیاں ملاحظہ ہوں:

پاکستان فرقہ واریت کے شعلوں کی لپیٹ میں۔ پانچ روز میں ۳۶ قتل

پاکستان پوسٹ، نیویارک ، ۲۳-۲۹ اگست ۱۹۹۶

Librado Romero/The New York Times

Calm Instead of the Storm

New Yorkers, including one enjoying the Hudson River from Wave Hill in Riverdale, basked in sunshine and a high just short of the 90-degree mark yesterday, a Labor Day that forecasters had said might be ruined by Hurricane Edouard. Instead, the storm moved to sea.

بہاریوں کو پاکستان نہیں لایا جائے گا۔ دفتر خارجہ

عوام، نیویارک، ۲۳ — ۲۹ اگست ۱۹۹۶

میں نے ایک پاکستانی بزرگ سے کہا کہ جب پاکستان میں بھی وہی ہونا تھا جس کا الزام آپ لوگ انڈیا پر ڈالتے ہیں تو پھر علاحدہ پاکستان بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ انھوں نے کہا کہ پاکستان کے بانیوں (اقبال، جناح) کے ذہن میں پاکستان کا نقشہ کچھ اور تھا۔ میں نے کہا کہ اقبال اور جناح ہمیشہ تو زندہ رہنے والے نہ تھے۔ انھیں جاننا چاہیے تھا کہ ان کے مرنے کے بعد جو لوگ پاکستان کے وارث ہوں گے وہ کیسے ہوں گے۔ میں نے کہا کہ ایک کار چلانے کے لیے بھی پیشگی اندازہ (advance anticipation) کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ پھر قوم و ملک کو چلانے کے لیے تو پیشگی اندازہ کی اہمیت اور بھی زیادہ تھی۔ پھر آخر یہ کس قسم کے لیڈر تھے جنھوں نے آگے کا اندازہ کیے بغیر قوم کو گڑھے کی طرف دوڑا دیا۔

اگست ۱۹۹۶ کے آخری ہفتہ کی امریکی خبروں میں سے ایک خبر یہ تھی کہ پریسیڈنٹ کلنٹن کے ایک اہم مشیر ڈک موریس (Dick Morris) کے بارہ میں یہاں کے ایک اخبار اسٹار (Star) نے یہ خبر چھاپی کہ ایک کال گرل کے ساتھ ان کا افیئر چل رہا ہے۔ اس کے فوراً بعد مذکورہ مشیر (aide) نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ یہاں کے ایک اخبار نے اس کو اچانک زوال (sudden downfall) سے تعبیر کیا تھا۔

امریکی زندگی کا یہ ایک عجیب پہلو ہے کہ یہاں افراد کو آخری حد تک آزادی حاصل ہے۔ بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ امریکی کلچر کا ایک تسلیم شدہ حصہ بن چکا ہے۔ لیکن حکومتی ذمہ دار کو وہ اس سے اوپر دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اگر کبھی کسی ذمہ دار کے بارہ میں اس قسم کی کوئی خبر اخبار میں آجائے تو اس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ وہ اپنا عہدہ چھوڑ کر الگ ہو جائے۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ حدیث میں ہے کہ عورت کو مرد کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تمثیل کی زبان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پسلی کی طرح اس کے مزاج میں ایک "ٹیڑھ" ہے۔ یہاں ٹیڑھ کا مطلب یہ ہے کہ وہ فطری طور پر زیادہ جذباتی (emotional) واقع ہوئی ہے۔ عورت جب کسی معاملہ میں جذباتی کیفیت میں مبتلا ہو جائے تو مرد کو چاہیے کہ وہ اس

کی رعایت کرے۔ اس کے برعکس اگر وہ جوابی شدت اختیار کرے گا تو یہ عورت کی شخصیت کو توڑنے کے ہم معنی بن جائے گا۔

خواجہ کلیم الدین صاحب کے صاحبزادے بلال صاحب اور لقمان صاحب نے میری کچھ تقریر ویڈیو پر ریکارڈ کر لی۔ ایک تقریر میں میں نے کہا کہ ایمان اور دعوت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایمان ایک عظیم معرفت ہے۔ اور کوئی چیز اگر آدمی کو معرفت کے درجہ میں ملے تو وہ عین اپنی فطرت کے مطابق چاہنے لگتا ہے کہ وہ اس کا اعلان کرے۔ کوئی عظیم معرفت سینہ میں چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی وہ لازماً باہر آکر رہے گی۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں میں دعوت زندہ نہیں ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ان کو معرفت والا ایمان حاصل نہیں۔

دوسری تقریر میں میں نے کہا کہ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا کہ اے رسول، اللہ کی طرف سے تمہارے اوپر جو اترا ہے، اس کو تم لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے اس کو نہیں پہنچایا تو تم نے پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا (المائدہ ۶۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عصمت من الناس کا راز دعوت الی اللہ میں چھپا ہوا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ آپ کے بعد یہ کام آپ کی نیابت میں آپ کی امت کی ذمہ داری ہے۔ امت جب نائب رسالت یا قائم مقام رسالت ہوگئی تو اس کے بعد باعتبار نوعیت امت کی حیثیت وہی ہوگئی جو اس سے پہلے پیغمبر کی تھی۔

۲۶ اگست کو جناب عبدالرحیم چشتی حیدرآبادی (۶۷ سال) سے ملاقات ہوئی وہ انجینیر ہیں۔ حیدرآباد سے وہ پاکستان چلے گئے۔ اس کے بعد امریکہ آکر آباد ہو گئے۔ انھوں نے بتایا کہ حیدرآباد کے قاسم رضوی نہایت کامیاب مقرر تھے۔ ۱۹۴۷ سے پہلے یہ حال تھا کہ لوگ پکچر کو چھوڑ کر ان کی تقریر سننے کے لیے آیا کرتے تھے۔ میں بھی انھیں میں سے ایک تھا۔ انھوں نے کہا کہ قاسم رضوی مخلص مگر بے وقوف تھے۔ بلکہ مولانا آزاد کو چھوڑ کر ہند و پاک کے تمام مسلم لیڈر بے وقوف ہی تھے۔ انھوں نے بتایا کہ ۱۹۶۷ میں لاہور میں میری ملاقات قاسم رضوی سے ہوئی۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو مسلمانوں کو مروا دیا۔ قاسم رضوی کچھ دیر چپ رہے۔ پھر بولے: میاں تم ٹھیک کہتے ہو، مجھ سے غلطی ہوئی۔

میں نے کہا کہ "آزاد حیدر آباد" کی تحریک تو سراسر حماقت تھی۔ حیدر آباد چاروں طرف سے انڈین یونین سے گھرا ہوا تھا، پھر وہ آزاد ملک کیسے بن سکتا تھا۔ انھوں نے کہا کہ مسلمان تو جذباتی لوگ ہیں، وہ حقیقت کو کہاں دیکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں ایسا طوفان تھا کہ جو اس کے خلاف بولے اس کے لیے جینا مشکل ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ابوالحسن صاحب اس کے خلاف بولے تو مسلمانوں نے ان کو غدار قرار دیا۔

انھوں نے کہا کہ مجھے ہندستانی مسلمانوں کی بہت فکر ہے۔ میں نے کہا کہ پھر ہندستانی مسلمانوں کے لیے آپ کا کیا مشورہ ہے۔ انھوں نے کہا: پڑھیں، بے تحاشا پڑھیں۔

میں نے کہا کہ آپ مولانا ابوالکلام آزاد کو ایک لائق رہنما سمجھتے ہیں، پھر مسلمانوں نے ان کی قدر کیوں نہیں کی۔ انھوں نے کہا کہ تعلیمی کمی کی وجہ سے مسلمانوں میں تجزیہ (analysis) کی طاقت نہیں۔ اور کوئی تجزیہ کر کے انھیں بتائے تو اس کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ تجزیاتی مطالعہ میں تنقید ہوتی ہے۔ بے لاگ ہو کر بولنا پڑتا ہے۔ مسلمان اس قسم کے مطالعہ کی اہمیت کو نہیں جانتے، اس لیے وہ گہری حقیقتوں سے باخبر بھی نہیں ہوتے۔ انھوں نے کہا کہ امریکہ میں کھل کر تجزیہ و تنقید ہوتی ہے، اس لیے ہر بات کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ مگر مسلم قوموں میں اس قسم کے حقیقت پسندانہ مطالعہ کا وجود نہیں۔

۲۷ اگست کی شام کو دو نو مسلم امریکی خاتون میری رہائش گاہ پر آئیں۔ ان کے کچھ ذاتی سوالات تھے جن کا میں نے جواب دیا۔ پھر ان کو کچھ حدیثیں سنائیں۔ ایک خاتون کا مسئلہ یہ تھا کہ اسلام کے بعد ان کے شوہر سے جدائی ہو گئی تھی۔ اور اب ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ نئی زندگی کس طرح شروع کریں۔ دوسری خاتون کا مسئلہ یہ تھا کہ ان کے دو بچے تھے۔ وہ امریکی سوسائٹی کے اثرات قبول کر رہے تھے۔ اب وہ جاننا چاہتی تھیں کہ بچوں کو ماحول کے اثرات سے کس طرح بچائیں۔

ایک صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے میں نے کہا کہ اس زمانہ میں ولی وہ ہے جو پیسہ کے پیچھے نہ بھاگے۔ نماز اور حج اور تہجد پر عمل کرنا آسان ہے۔ کیوں کہ وہ آپ کی زندگی کے نقشہ کو درہم برہم نہیں کرتا۔ مگر جب آدمی یہ فیصلہ کرے کہ وہ پیسہ کے پیچھے نہیں بھاگے گا تو یہ اپنے آپ سے اور سارے ماحول سے لڑنے کے ہم معنی بن جاتا ہے۔

اِسنا (ISNA) کی طرف سے ایک میگزین پلین فیلڈ سے شائع ہوتا ہے۔ اس کا نام اسلامک ہورائزن (Islamic Horizon) ہے۔ اس کے شمارہ جولائی۔ اگست ۱۹۹۶ میں ایک غیر مقیم کشمیری لیڈر کی طرف سے انڈیا کے خلاف پُرشور بیان شائع ہوا تھا۔ اس میں ہندستانی "مظالم" کا ذکر کرنے کے بعد اس معاملہ میں بین اقوامی برادری کی خاموشی کی شکایت کی گئی تھی، اور کہا گیا تھا کہ یہ خاموشی صرف کشمیر کی خوں ریزی میں مزید اضافہ کرے گی :

The silence of the international community will only result in more bloodshed in the ravaged land. (p. 14)

یہ شکایت نہایت عجیب ہے۔ اس لیے کہ یہی نام نہاد مسلم لیڈرشپ ہے جو رات دن یہ اعلان کرتی رہتی ہے کہ "بین اقوامی برادری" اسلام دشمن ہوگئی ہے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرتی رہتی ہے۔ ایسی حالت میں اس مسلم دشمن برادری سے یہ امید رکھنا کہ وہ مسلمانوں کی تباہی کا خاتمہ کرے گی، بلاشبہ لغویت کی حد تک احمقانہ بات ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارا لکھنے اور بولنے والا طبقہ کیوں اس قسم کی بے معنی باتیں کرتا ہے۔ عقل کے اس دیوالیہ پن کی مثال شاید دنیا کی کسی اور قوم میں موجود نہیں۔

ایک صاحب سے بات کرتے ہوئے میں نے کہا کہ موجودہ زمانہ کی مسلم دنیا میں مخلص افراد تو بے شمار ہیں۔ مگر وہ آدمی سرے سے اس زمانہ کی مسلم دنیا میں موجود نہیں جس کے اندر ساؤنڈ تھنکنگ کی صفت پائی جاتی ہو۔

میں نے سنا تھا کہ امریکہ میں جو عرب آباد ہیں ان کے بچے عربی سے بے بہرہ ہوتے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک صاحب نے بتایا جو عربوں سے قریب رہتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ عرب بچوں کے والدین ٹیوٹر رکھ کر انھیں عربی زبان پڑھانا چاہتے ہیں مگر بچے پڑھ نہیں پاتے۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ عرب اپنے گھروں میں عامی زبان بولتے ہیں اور ٹیوٹر ان کو فصیح زبان پڑھانا چاہتا ہے۔ عرب بچے اگرچہ گھر کے اندر عامی زبان سنتے ہیں، مگر ٹیوٹر کے ذریعہ پڑھائی جانے والی فصیح زبان الگ زبان کی طرح نظر آتی ہے۔ انھیں مشکل معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زبان کے ساتھ ایک نئی زبان سیکھیں۔ انھوں نے کہا کہ عربوں کی بولی اگر وہی ہوتی جو فصیح عربی ہے تو یہ تضاد نہ ہوتا

اور ان کے بچوں کے لیے عربی سیکھنا آسان ہو جاتا۔ اب عربی سیکھنے کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ ایک معلوم زبان کی صرف کتابت کو سیکھ رہے ہیں۔ جس زبان کو وہ صرف بول رہے تھے اس کو پڑھنا بھی سیکھ رہے ہیں۔

امریکہ میں فیونرل ہوم ہوتے ہیں۔ موت ہونے کے بعد ٹیلی فون کر کے فوراً اپنے مُردہ کو فیونرل ہوم کے حوالے کرنا ہوتا ہے۔ وہ لاش کو اٹھالے جاتے ہیں اور اس کے تمام رسوم ادا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ میت کو قبر میں اتارنے کا کام آدمی کے ہاتھ نہیں کرتے بلکہ کرین اس خدمت کو انجام دیتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ یہاں عیسائیوں اور یہودیوں کے فیونرل ہوم ہیں، مگر مسلمانوں کے فیونرل ہوم موجود نہیں۔

ایک صاحب نے بتایا کہ اسرائیل میں سیاہ فام یہودی اور سفید فام یہودی کے درمیان زبردست امتیاز ہے۔ مثلاً وہاں کے ایک اسپتال میں سیاہ فام یہودی کا خون لیا گیا۔ اس کو جس بوتل میں رکھا گیا، اس پر لکھ دیا گیا کہ اس کو استعمال نہ کریں۔ مطلب یہ کہ وہ پھینکنے کے لیے ہے نہ کہ استعمال کرنے کے لیے۔ یہ معاملہ امریکہ کے اخبار میں چھپ گیا اور اس پر یہاں بڑا شور کیا گیا۔

مغربی ملکوں میں ایک بات کا مجھے بار بار تجربہ ہوا۔ مجھے کسی اجتماع میں خطاب کے لیے بلایا گیا۔ اور بتایا گیا کہ یہاں سب اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہوں گے۔ اس کی رعایت سے وہاں میں نے جو تقریر کی اس میں اسلام کو خالص علمی انداز میں پیش کیا۔ آخر میں سوال و جواب کا وقفہ تھا۔ لیکن لوگوں کی طرف سے جو سوالات آئے وہ زیادہ تر عام قسم کے سوالات تھے۔ کوئی گہرا علمی سوال سامنے نہ آسکا۔

امریکہ کے سفر میں بھی اسی قسم کے تجربات ہوئے۔ یہاں ایک اجتماع میں مجھے شرکت کی دعوت دی گئی۔ اور صراحت کے ساتھ کہا گیا کہ وہاں سب اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہوں گے۔ اس لیے وہاں اسلام کے پیغام کو سائنسی انداز میں پیش کیا جائے۔ میں نے اللہ کی توفیق سے ایسا ہی کیا۔ مگر تقریر کے بعد جب سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تو لوگوں کی طرف سے کوئی علمی اور فکری سوال پیش نہیں کیا گیا۔ میں نے وہاں اسلام کی فکری عظمت پر تقریر کی تھی۔ مگر سوالات جو کیے گئے وہ یہ تھے کہ ——— فلاں جگہ مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ فلاں قوم ہمارے خلاف سازش کر رہی ہے، اس پر آپ کیا کہتے ہیں۔

غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ علمی سوال ہمیشہ علمی زندگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اونچی تعلیمی ڈگریاں تو لے لیتے ہیں مگر اس کے بعد عملاً وہ صرف مادی ترقی کی دوڑ میں لگے رہتے ہیں۔ زیادہ پیسہ کمانا اور شاندار زندگی کی تعمیر کرنا، بس انھیں چیزوں پر ان کا ذہن لگا رہتا ہے۔ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود عملاً وہ صرف معاشی حیوان بن کر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ذہنوں میں اونچے علمی سوالات پرورش ہی نہیں پاتے، پھر وہ اونچے سوالات کس طرح کر سکتے ہیں۔

۲۸ اگست کو حسب معمول ہم لوگ نماز فجر کے بعد ٹہلنے کے لیے نکلے۔ تقریباً دو میل تک ہم لوگ سڑکوں پر ٹہلتے رہے۔ مگر کہیں اونچا نیچا نہیں ملا۔ ہر طرف ہموار سڑک تھی اور کسی خطرہ کے بغیر مسلسل ہم ٹہل سکتے تھے۔ جب کہ ہندستان کے کسی بڑے سے بڑے شہر میں بھی ایسا ممکن نہیں۔ وہاں بار بار فٹ پاتھ کہیں اونچا ہوگا۔ کہیں گڑھا ہوگا، کہیں فرش ٹوٹا ہوگا۔ کہیں کوڑا پڑا ہوگا۔ ٹھوکر سے بے فکر وہاں ٹہلنا ممکن نہیں۔

امریکہ میں آج کل خاندانی زندگی کا بہت چرچا ہے۔ اخبار، ٹی وی، میٹنگ ہر جگہ اس کا ذکر ہے۔ ہر جگہ خاندانی اقدار (family values) پر زور دیا جا رہا ہے۔ صدر امریکہ بل کلنٹن نے ایک ویلفیئر بل پر دستخط کیے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ میں خاندانی زندگی اس حد تک ٹوٹ گئی ہے کہ وہ ایک قومی خطرہ نظر آنے لگی ہے۔

امریکہ میں پہلے آزادی کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی۔ لوگوں کو یہ یقین کرایا گیا کہ مکمل انفرادی آزادی فرد کی شخصیت کے مکمل ارتقاء کے لیے ضروری ہے۔ مگر اب یہ آزادی انارکی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی شخصی ارتقاء کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مگر اسی کے ساتھ اس کی ایک حد بھی ہے۔ آزادی اگر حد سے باہر ہو جائے تو وہ الٹا نتیجہ پیدا کرے گی۔

نیویارک ٹائمس (۲۸ اگست) میں شیمان (Serge Schememann) کی ایک رپورٹ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسرائیل میں بھی کم و بیش وہی جھگڑے ہیں جو پاکستان میں ہیں۔ اسرائیل میں ایک طرف سیکولر یہودی ہیں جو وہاں سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف آرتھوڈکس یہودی

ہیں جن کا کہنا ہے کہ اسرائیل یہودی مذہب کے نام پر بنا ہے، اس لیے یہاں یہودی مذہبی قوانین جاری ہونے چاہئیں۔ ایک مذہبی یہودی نے کہا کہ ہماری اقدار کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے :

What's at stake is values.

۲۹ اگست کی رات کو ۱۰ بجے ٹی وی پر صدر امریکہ بل کلنٹن کی تقریر تھی۔ ڈیموکریٹک پارٹی نے کلنٹن کو اگلے صدارتی الکشن کے لیے دوسری بار اپنا نمایندہ بنایا ہے۔ یہاں کے رواج کے مطابق، آج شکاگو میں پارٹی کی طرف سے بڑے پیمانہ پر ایک نیشنل کنونشن تھا۔ اس میں کلنٹن نے اپنی قبولیت کا اعلان کیا۔ اس موقع پر انھوں نے جو مفصل تقریر کی وہ امریکہ کے مختلف ٹی وی چینلوں پر لائو ٹیلی کاسٹ کی گئی۔

میں نے یہ تقریر سنی۔ محسوس ہوا کہ بل کلنٹن میں خطاب کی غیر معمولی صلاحیت ہے۔ کلنٹن کی لمبی تقریر میں ایک جملہ نے مجھ کو اسٹرائک کیا تھا۔ عجیب بات ہے کہ اگلی صبح کو نیویارک ٹائمس (۳۰ اگست) آیا تو اس نے اپنے صفحہ اول کی رپورٹ میں اسی جملہ کو اس کی سرخی بنایا تھا۔ وہ جملہ یہ تھا کہ —— امریکہ میں امید دوبارہ واپس آگئی ہے :

Hope is back in America.

کلنٹن نے اپنی تقریر میں جو باتیں کہیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ ہمیں تعلیم کی ہر سطح پر امتیاز (excellence) کو اپنا نشانہ بنانا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں مذہبی آزادی میں یقین رکھتا ہوں۔ میں تقریر کی آزادی میں یقین رکھتا ہوں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ لوگ محنت کے ساتھ کام کریں اور قانون کی پوری پابندی کریں :

I believe in religious liberty, I believe in freedom of speech, and I believe in working hard and abiding by the rules.

۳۰ اگست کو نماز جمعہ کے بعد تقریر سے فارغ ہوا تو ایک نوجوان الگ سے آکر ملے۔ انھوں نے کہا کہ میری بہن کی عمر ۳۰ سال ہو چکی ہے۔ مگر ابھی تک ان کا رشتہ نہ ہو سکا آپ ان کے لیے کوئی دعا لکھ دیں۔ میں نے دل میں دعا کی کہ خدایا اس خاتون کا کوئی مناسب رشتہ ہو جائے۔ پھر ان کو کاغذ پر ایک آیت لکھ کر دی اور کہا کہ اس کو فجر کے بعد دس بار، اور عشاء کے

بعد دس بار پڑھ لیا کریں۔ وہ یہ ہے : رب اِنّی لما انزلت الیّ من خیر فقیر (القصص۔ ۲٤)

۲۹ اگست کی شام کو ہم لوگ نیویارک کے ساحل اٹلانٹک کو دیکھنے کے لیے گئے۔ یہ دنیا کا دوسرا سب سے بڑا سمندر ہے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ کیسی عجیب نشانی ہے کہ سمندروں کے پانی میں نمک ملا دیا گیا ہے۔ نمک ایک محفوظ رکھنے والا عنصر (preservative) ہے۔ اس کی وجہ سے سمندر کا پانی خراب ہونے نہیں پاتا۔ اب دوسرا سوال یہ تھا کہ انسان نمکین پانی کو استعمال نہیں کرسکتا، اس کو میٹھا پانی چاہیے۔ یہ ضرورت اس طرح پوری ہوتی ہے کہ پانی ہلکا عنصر ہے اور نمک اس کے مقابلہ میں بھاری ہے۔ چنانچہ گرمی کے موسم میں سمندر کا پانی بھاپ بن کر اڑتا ہے تو نمک نیچے رہ جاتا ہے اور صرف پانی نکل کر اوپر چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد دھوپ اور ہوا اور زمینی کشش کے زیر اثر یہ غیر نمکین میٹھا پانی بارش کی صورت میں برستا ہے اور دوبارہ زمین پر آکر انسان کی ضرورت پوری کرتا ہے۔

دو متضاد تقاضوں میں یہ توازن اتفاقی طور پر نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی قادر مطلق ذہن ہو جو عالمی سطح پر اس کی منصوبہ بندی کرے۔ اس طرح کے بے شمار واقعات کائنات میں بکھرے ہوئے ہیں جو تمام آوازوں سے زیادہ بلند آواز میں یہ اعلان کر رہے ہیں کہ اس دنیا کا ایک خالق اور ناظم ہے۔ اس کے بغیر نہ دنیا بن سکتی اور نہ وہ قائم رہ سکتی۔

ہمارے سامنے یہاں کا مشہور پل (suspension bridge) ہے جو اٹلانٹک کے دو جزیروں ـــــ لانگ آئی لینڈ اور اسٹرٹین آئی لینڈ کو ملاتا ہے۔ یہ ایک لٹکا ہوا پل ہے جو لوہے کے رسّوں پر قائم کیا گیا ہے۔ وہ ایک کیلومیٹر لمبا ہے۔ انڈیا میں اس کی مثال ہگلی کا پل ہے جو ہاوڑہ میں ہے۔

اٹلانٹک کے ساحل پر دیر تک بیٹھ کر ہم لوگ باتیں کرتے رہے۔ ایک گفتگو کے ذیل میں میں نے کہا کہ ہمارے یہاں آج کل عبادت کے مختلف ماڈل رائج ہو گئے ہیں ـــــ حنفی ماڈل، سلفی ماڈل، وغیرہ۔ مگر یہ سب کے سب فارم میں فرق کی بنیاد پر بنے ہیں۔ ایک سیٹ آف فارم اِن کا ہے اور دوسرا سیٹ آف فارم اُن کا۔ مگر عبادات میں اصل چیز اس کی داخلی اسپرٹ ہے، اور اس پر زور کسی کے یہاں بھی نہیں۔

نیویارک گویا امریکہ کا بمبئی ہے۔ بمبئی کے مقابلہ میں یہاں کم از کم دس گنا زیادہ کاریں ہوں گی۔ ان میں تقریباً ۹۹ فی صد بڑے سائز کی گاڑیاں ہیں۔ مگر نیویارک میں بمبئی کے مقابلہ میں بہت کم پولیوشن ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہاں کی گاڑیوں میں ایک کنورٹر (converter) لگا ہوتا ہے۔ پٹرول جلنے کے بعد اس سے دھواں (گیس) نکلتا رہتا ہے۔ کنورٹر یہ کرتا ہے کہ وہ مضر گیس کاربن مونو کسائڈ (carbon monoxide) کو کم مضر گیس کاربن ڈائی آکسائڈ (carbon dioxide) میں تبدیل کر دیتا ہے۔ گاڑی کے چلنے کے دوران اس کے اندر یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔

۳۰ اگست کو جمعہ تھا۔ پروگرام کے مطابق مجھے مسلم سنٹر نیویارک میں جمعہ کا خطبہ دینا تھا اور نماز پڑھانا تھا۔ ہم لوگ ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہوکر ڈیڑھ گھنٹہ میں وہاں پہنچے۔ خطبہ میں مسنون عربی مضمون کے ساتھ میں نے انگریزی میں نماز کی بابت کچھ باتیں کہیں۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ نماز کا ایک ظاہری پہلو ہے اور دوسرا اس کا داخلی پہلو ہے۔ دونوں کی اہمیت ہے۔ اور نماز کا حقیقی فائدہ اس وقت مل سکتا ہے جب کہ نماز کی ظاہری ہیئت بھی اچھی طرح ادا ہو، اور اس کی داخلی اسپرٹ (خشوع) بھی پوری طرح پائی جائے۔

خطبہ کا وقت سوا بجے تھا۔ میں خطبہ ختم کرکے منبر سے اترا کہ نماز پڑھاؤں اس وقت مرکز کے ذمہ دار آگئے۔ انھوں نے کہا کہ خطبہ چند منٹ پہلے ختم ہوگیا۔ کچھ لوگ جو دفاتر میں کام کرتے ہیں وہ خطبہ میں شریک نہیں ہو پاتے۔ وہ ٹھیک ڈیڑھ بجے آتے ہیں تاکہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائیں۔ آخر یہ طے ہوا کہ نماز میں قرأت لمبی کی جائے تاکہ کم از کم جماعت میں ان کی شرکت ہو جائے۔

اس تجربہ کے بعد سنن ابی داؤد کی وہ روایت میری سمجھ میں آئی جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: من زار قوما فلا یؤمہم ولیؤمہم رجل منہم (جو شخص کسی قوم میں جائے وہ ان کی امامت نہ کرے۔ خود ان کا اپنا آدمی امامت کرے)

اس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ مقامی آدمی جو پہلے سے نماز کی امامت کر رہا ہے وہ وہاں کے حالات کو بخوبی جانتا ہے اور ان کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھا سکتا ہے۔ جب کہ باہر کا آدمی مقامی حالات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کوئی ایسی بات کر سکتا ہے جو مقامی صورت حال

سے مطابقت نہ رکھتی ہو اور اس کی وجہ سے غیر ضروری طور پر کوئی مسئلہ پیدا ہو جائے۔

نماز جمعہ کے بعد دوبارہ مسجد میں ایک خطاب ہوا۔ اس خطاب میں آخرت اور جنت اور جہنم سے متعلق کچھ حدیثیں پیش کیں اور ان کی تشریح کی۔

۲۱ اگست کو ظہر کی نماز کے بعد نیویارک سے فلاڈلفیا کے لیے روانگی ہوئی۔ راستہ میں دریا کے نیچے لمبی ٹنل تھی۔ میرے ساتھی نے کہا: ہمارے یہاں پانی کے اوپر سے سفر ہوتا ہے یہاں پانی کے نیچے سے سفر ہو رہا ہے۔ یہ ۸۰ میل کا سفر تھا۔ پورا سفر جنان عن یمین وشمال (سبا۔۱۵) کا منظر پیش کر رہا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف سرسبز قدرتی مناظر اور ان کے درمیان جگہ جگہ خوب صورت مکان، سڑک نہایت عمدہ اور اس کے اوپر پھسلتی ہوئی زرق برق گاڑیاں۔ پورا سفر ایک مسحور کن ماحول میں ہوا۔

آخر کار ہم لوگ بنسلیم (Bensalem) پہنچے جو فلاڈلفیا کی ریاست میں واقع ہے۔ یہاں سب سے پہلے ہم لوگ جناب رئیس احمد انجینیر کی رہائش گاہ پر اترے۔ یہ ایک نہایت مرصع اور پُرکشش مکان تھا۔ یہ تمام مناظر ذاتی طور پر تو میرے لیے کوئی کشش نہیں رکھتے تھے۔ کیوں کہ میں طبعی طور پر سادگی کا دلدادہ ہوں۔ میرے لیے ساری کشش صرف سادگی میں ہے۔ مگر ہمارے ایک پاکستانی ساتھی نے کہا کہ "یہ چیزیں بھلا اپنے ملک میں کہاں ہیں۔ اسی لیے تو ہمارے نوجوان دیوانہ ہو کر امریکہ کی طرف بھاگ رہے ہیں۔"

مغرب کی نماز ہم لوگوں نے فلاڈلفیا کی مسجد فرنٹ اسٹریٹ میں پڑھی۔ یہاں مسجد میں میرا خطاب رکھا گیا تھا۔ میں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں بتایا کہ اسلام کا مقصد تعمیر شعور اور کیرکٹر بلڈنگ ہے۔ اسلام کا اصل نشانہ اسلامائزیشن آف مین ہے نہ کہ اسلامائزیشن آف اسٹیٹ یا اور کچھ۔

یہاں مختلف لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ایک پاکستانی مسلمان سے میں نے پوچھا کہ امریکہ میں آپ لوگوں کے لیے پلس پوائنٹ کیا ہے اور مائنس پوائنٹ کیا۔ انھوں نے کہا کہ سب سے بڑا مائنس پوائنٹ یہ ہے کہ ہماری فرسٹ جنریشن تو اپنی آئیڈنٹٹی باقی رکھنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ مگر سکنڈ جنریشن اور اس کے بعد کی جنریشن کے لیے اپنی آئیڈنٹٹی کو باقی رکھنا تقریباً ناممکن ہے۔ میں نے کہا کہ انسان تقابل کے تحت ایک کو لیتا ہے اور دوسرے کو چھوڑتا ہے۔

آپ نے پاکستان اور امریکہ کا تقابل کیا تو امریکہ آپ کو اقتصادی اعتبار سے بہتر نظر آیا۔ اس لیے آپ پاکستان کو چھوڑ کر یہاں آگئے۔ اسی طرح آپ کی اگلی جنریشن اسلامی آئیڈنٹٹی پر اس وقت باقی رکھ سکے گی جب کہ اس کو امریکی کلچر کے مقابلہ میں اسلامی کلچر زیادہ اعلیٰ دکھائی دے گا۔ یہ کام موجودہ نسل کو کرنا ہے۔ مگر موجودہ نسل ڈالر کمانے میں اتنا زیادہ مشغول ہے کہ اسے کسی اور کام کی فرصت نہیں۔

۳۱ اگست کی رات جناب فضل الرحمٰن صاحب کے مکان پر گزاری۔ ان سے میں نے پوچھا کہ اپنا کوئی تجربہ بتائیے۔ انھوں نے کہا کہ ۱۹۷۳ میں جب میں یہاں آیا تو کافی تلاش کے بعد میں نے ایک سروس حاصل کی۔ مگر اتفاق سے اس کے چند ہی دن کے بعد عید آگئی۔ میں نے چاہا کہ میں عید منانے کے لیے آفس سے ایک دن کی چھٹی لوں۔ میرے تمام دوستوں نے منع کیا کہ ابھی تو تم نے سروس جوائن کی اور ابھی تم چھٹی مانگو گے تو وہ چھٹی نہیں دیں گے بلکہ فائر کر دیں گے (سروس ختم کر دیں گے) مگر میری طبیعت نہیں مانی۔ میں نے اپنے دفتر میں چھٹی کی درخواست دے دی۔ میرا سپروائزر ایک یہودی تھا۔ اس نے وہی بات کہی جس سے میرے دوستوں نے مجھے ڈرایا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ کوئی پاکستان نہیں ہے کہ ابھی آئے اور ابھی چھٹی۔ سروس اور عید دونوں تم کو ایک ساتھ نہیں مل سکتی۔ تم سروس یا عید دونوں میں سے ایک کا انتخاب کر لو۔

اس نے کہا کہ ہم تم کو چھٹی تو نہیں دے سکتے، البتہ ہم تم کو فائر کر سکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ لنچ کے وقت تک میں تم کو مہلت دیتا ہوں۔ تم سوچ لو کہ تم کو سروس چاہیے یا عید۔ اس وقت تک تم مجھ کو بتا دو۔ لنچ کے بعد اس نے پوچھا کہ کیا فیصلہ کیا۔ میں نے کہا کہ یہ میرا مذہب کا معاملہ ہے۔ اور اس معاملہ میں میں کمپرومائز نہیں کر سکتا۔ کچھ دیر کی گفت گو کے بعد اس نے کہا کہ جاؤ اپنی عید مناؤ کل کے لیے تمہاری چھٹی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ تم اسی طرح ہمیشہ اپنے مذہب پر قائم رہنا:

Son, stand for your religious rights.

فضل الرحمٰن صاحب کے مکان کے بیسمنٹ میں نماز باجماعت ادا کی۔ صبح سویرے ہی کافی لوگ آگئے۔ نماز کے بعد درس کی صورت میں ایک تقریر کی۔ اس میں اس آیت کو موضوع بنایا گیا تھا کہ: لقد کان لکم .... (الاحزاب۔۲۱)

خبر نامہ اسلامی مرکز۔۱۳۵

۱۔ پرولائف میگزین (نئی دہلی) کے نمائندہ نے ٹیلی فون پر ۲۸ر اپریل ۱۹۹۸ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ مسجد میں جاکر نماز ادا کرنے کی اجازت عورتوں کو بھی پوری طرح حاصل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز مردوں کے لئے لازمی ہے اور عورتوں کے لئے اختیاری۔ یہ عورتوں کے لئے بطور رعایت ہے۔

۲۔ بی بی سی لندن کے نمائندہ مسٹر ریحان فضل نے ۴ر مئی ۱۹۹۸ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ۱۹۴۷ کے بعد ہندو مسلم تعلقات سے تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ میڈیا کا طریقہ یہ ہے کہ وہ زیادہ تر سنسنی خیز خبروں کو رپورٹ کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں صرف "بیڈ نیوز" میڈیا میں جگہ پاتی ہیں جب کہ وہ صرف ایک فیصد ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ۹۹ فیصد "گڈ نیوز" ہیں مگر میڈیا ان کو رپورٹ نہیں کرتا۔ اس لئے آپ لوگوں کا تاثر یہ بن گیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت اچھی نہیں ہے۔ حالانکہ یہاں کے مسلمان بہت سے ملکوں سے بہتر ہیں اور ترقی کر رہے ہیں۔

۳۔ ڈیلی ٹیلی گراف کی نمائندہ راج لکشمی بھٹاچاریہ نے ۵ر مئی ۹۸ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ یہ انٹرویو روزہ کے موضوع پر تھا۔ ان کو روزہ کا اسلامی تصور بتایا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ روزہ کا مقصد روحانی تزکیہ، اخلاقی ڈسپلن اور صبر کی تربیت ہے۔

۴۔ ریورنڈ والسن تھمپو (Reverend Valson Thampu) نے ٹائمس آف انڈیا کے لئے ۱۰ر مئی ۹۸ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر اہانت رسول کے مسئلہ سے تھا۔ ان کو بتایا گیا کہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب "شتم رسول کا مسئلہ" کے نام سے چھپ چکی ہے۔ سوالات کے جواب میں زیادہ تر وہی باتیں کہی گئیں جو اس کتاب میں شائع ہو چکی ہیں۔

۵۔ امریکی اخبار لاس اینجلس ٹائمس کے نمائندہ ڈکسٹر فلکنس (Dexter Filkins) نے ۱۳ر مئی

۹۸ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ سوالات کا تعلق زیادہ تر ہندوستان اور پاکستان کے نزاع سے تھا۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ تشدد کا طریقہ دونوں ملکوں میں سے کسی کے لئے بھی مفید نہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان امن قائم کرنے کا واحد راز یہ ہے کہ دونوں اسٹیٹس کو (Stat-usquo) پر راضی ہو جائیں۔

۶۔ میڈیکل کالج (کٹیہار) کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے بہار کا ایک سفر کیا۔ ۲۳ مئی ۱۹۹۸ کو روانگی ہوئی اور ۲۶ مئی کو واپسی ہوئی۔ ۲۳ مئی کو پٹنہ میں پلینیٹریم (Planetarium) کے ہال میں ایک تقریر ہوئی۔ تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان بڑی تعداد میں موجود تھے۔ تقریر کا موضوع تھا "مذہبی ہم آہنگی (Religious harmony) اس سلسلہ میں قرآن و حدیث کے حوالوں سے بتایا گیا کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان کو عزت اور احترام دیا جائے خواہ وہ اپنے مذہب کا ہو یا غیر مذہب کا۔

۷۔ بہار کے سفر میں ۲۴ مئی ۱۹۹۸ کو کٹیہار میڈیکل کالج میں خطاب کا پروگرام تھا۔ یہ ایک بڑا جلسہ تھا جس میں اطراف کے ہندو اور مسلمان دونوں کثرت سے شریک ہوئے۔ یہاں صدر اسلامی مرکز کی تقریر کا موضوع مذہبی ہم آہنگی تھا۔ تقریر میں جو باتیں کہی گئیں اس میں سے ایک بات یہ تھی کہ تمام مذاہب کو ایک ثابت کرنے کا کوئی تعلق مذہبی ہم آہنگی سے نہیں ہے۔ مذہبی ہم آہنگی ٹالرنس اور باہم احترام کے جذبہ کے تحت آتی ہے نہ کہ یہ ثابت کرنے سے کہ تمام مذاہب ایک ہیں۔

۸۔ ہندی اخبار نئی دنیا (اندور) کے نمائندہ مسٹر سدھانشو راجیو نے ۲۷ مئی ۱۹۹۸ کو صدر اسلامی مرکز کا انٹرویو لیا۔ موضوع تھا "اسلام، ماڈرنٹی اینڈ اسٹیٹ" اس سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ اسلام کا نقطۂ نظر بتایا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام میں پیشگی طور پر ایسی تعلیمات موجود ہیں کہ کوئی بھی نئی صورت حال اس کے لئے مسئلہ نہ بنے۔ جہاں تک اسٹیٹ کا تعلق ہے اسلام کا یہ نظریہ نہیں کہ مسلمان ہر جگہ لڑ کر اسلام کا سیاسی اور قانونی نظام قائم کریں۔ اس معاملہ میں صحیح اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ ساری کوشش فرد اور سماج کی اصلاح پر صرف کی جائے۔ جب کوئی سماج اصلاح یافتہ ہو جائے گا تو اس کے اندر سے اپنے آپ اسلامک اسٹیٹ ایمرج کرے گی۔

۹۔ دوردرشن دہلی میں ۲؍جون ۱۹۹۸ کو ایک پینل ڈسکشن تھا۔ اس کا موضوع تھا "سائنٹفک ٹمپر" (سائنسی مزاج) صدر اسلامی مرکز نے اس کی دعوت پر اس میں شرکت کی۔ انھوں نے اس موقع پر بتایا کہ سائنٹفک ٹمپر کا مطلب حقیقت پسندانہ سوچ ہے۔ اور یہ خود اسلام کی تعلیم بھی ہے۔ پیغمبر اسلام کی ایک دعا ہے: اللھم ارنا الاشیاء کماھی (اے خدا ہمیں چیزوں کو ویسا ہی دکھا جیسا کہ وہ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب as it is thinking ہے۔ یہی سائنٹفک ٹمپر کا اصل مطلب بھی ہے۔ یہ حقیقت پسندانہ سوچ کسی بھی ترقی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

۱۰۔ ۶؍جون ۱۹۹۸ کو نئی دہلی کے انڈیا انٹرنیشنل سینٹر (انکسی) میں ایک اجتماع ہوا اس کے صدر سابق وزیر اعظم اندر کمار گجرال تھے۔ اس کا موضوع یہ تھا کہ انڈیا اور پاکستان کے تعلقات کو کس طرح بہتر بنایا جائے۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ موضوع پر تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اقوام متحدہ کے ایک نمائندہ ایک سال پہلے دہلی آئے تھے۔ انہوں نے ایک ملاقات میں مجھ سے پوچھا کہ انڈیا اور پاکستان کے مسئلہ کا حل کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا فارمولا صرف ایک ہے اور وہ ہے:

Accept the statusquo

اس سلسلہ میں انھوں نے بتایا کہ اسٹیٹس کو ازم اسلام کا ایک مستقل اصول ہے۔ اس کا مطلب بے عملی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قائم شدہ عملی صورت حال کو مان کر بقیہ دائروں میں جدوجہد کرنا۔ دوسرے لفظوں میں، مسائل کو نظر انداز کر کے مواقع کو استعمال کرنا۔ اس مسئلہ کا واحد قابل عمل حل یہی ہے۔

۱۱۔ ۱۰؍جون ۱۹۹۸ کو جسولا دہار (دہلی) کی مسجد میں ایک پروگرام تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد یہاں صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر ہوئی۔ اس کا موضوع تعلیم کی اہمیت تھا، بتایا گیا کہ اسلام میں علم اور تعلیم کی بے حد اہمیت ہے۔ اسی لئے ہر زمانہ میں یہ رواج رہا ہے اور آج بھی ہے کہ ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ اور ہر مدرسہ کے ساتھ ایک مسجد ہوتی ہے۔ علم اور عبادت دونوں بیک وقت اسلام کی بنیاد ہیں۔

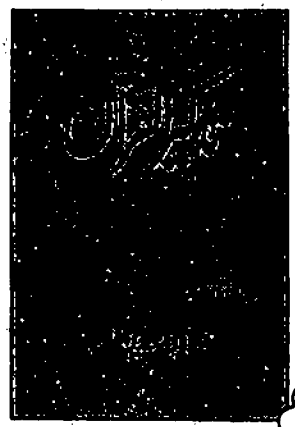

تذکیر القرآن

نئی طباعت
ایک جلد میں مکمل

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکزِ توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہمِ قرآن کی کنجی ہے۔

رعایت نصف

ھدیہ : ۴۰۰ روپے

باریک کاغذ پر ایک جلد میں مکمل، ۱۶۰۰ صفحات

مساجد اور لائبریری وغیرہ میں تقسیم کرنے کے لیے

نصف رعایت کے ساتھ صرف ۲۰۰ روپے میں دستیاب ہے

کم از کم ۵ کاپیاں منگوانے پر ڈاک خرچ ادارہ کے ذمہ ہوگا۔

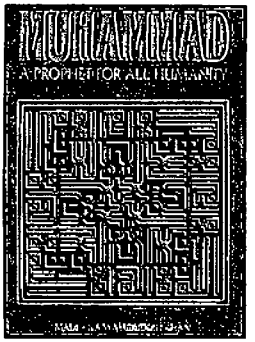

Size: 23.5x16cm,
Pages: 228; Rs. 125

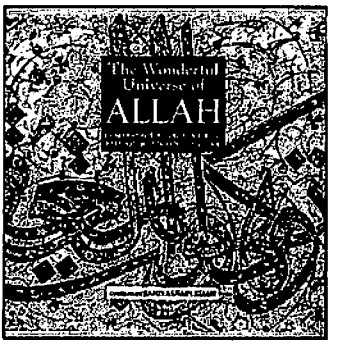

Size: 14x14cm,
Pages: 150; Rs. 95

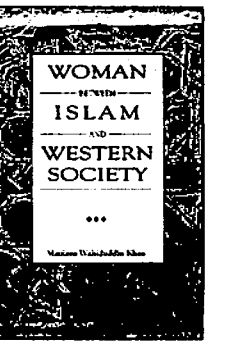

Size: 22x14.5cm,
Pages: 255; Rs. 95

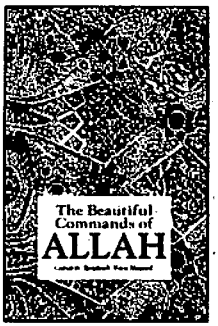

Size: 12.5x19 cm,
Pages: 192; Rs. 125

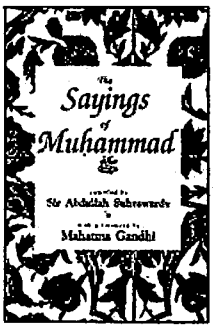

Size: 11.5x15 cm,
Pages: 128; Rs. 75

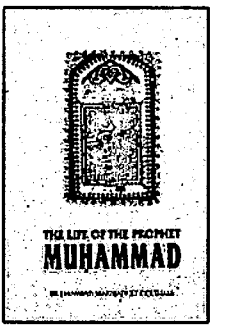

Size: 11.5x15 cm,
Pages: 64; Rs. 75

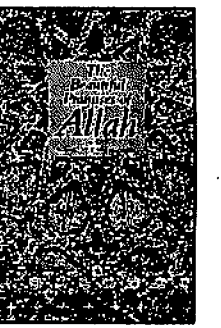

Size: 12.5x19cm,
Pages: 200; Rs. 175

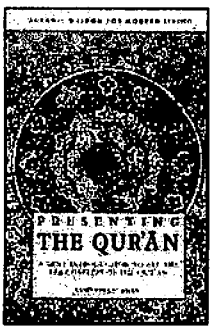

Size: 12.5x19cm,
Pages: 168; Rs. 165

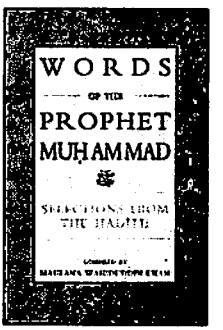

Size: 11.5x15cm,
Pages: 112; Rs. 75

Size: 11.5x15cm,
Pages: 92; Rs. 75

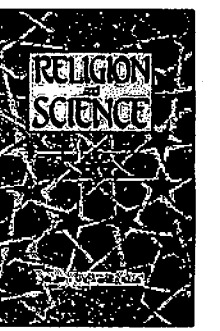

Size: 22x14.5cm,
Pages: 96; Rs. 55

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013
Tel. 4611128, 4611131 Fax 91-11-4697333
e-mail: risala.islamic.@axcess.net.in.

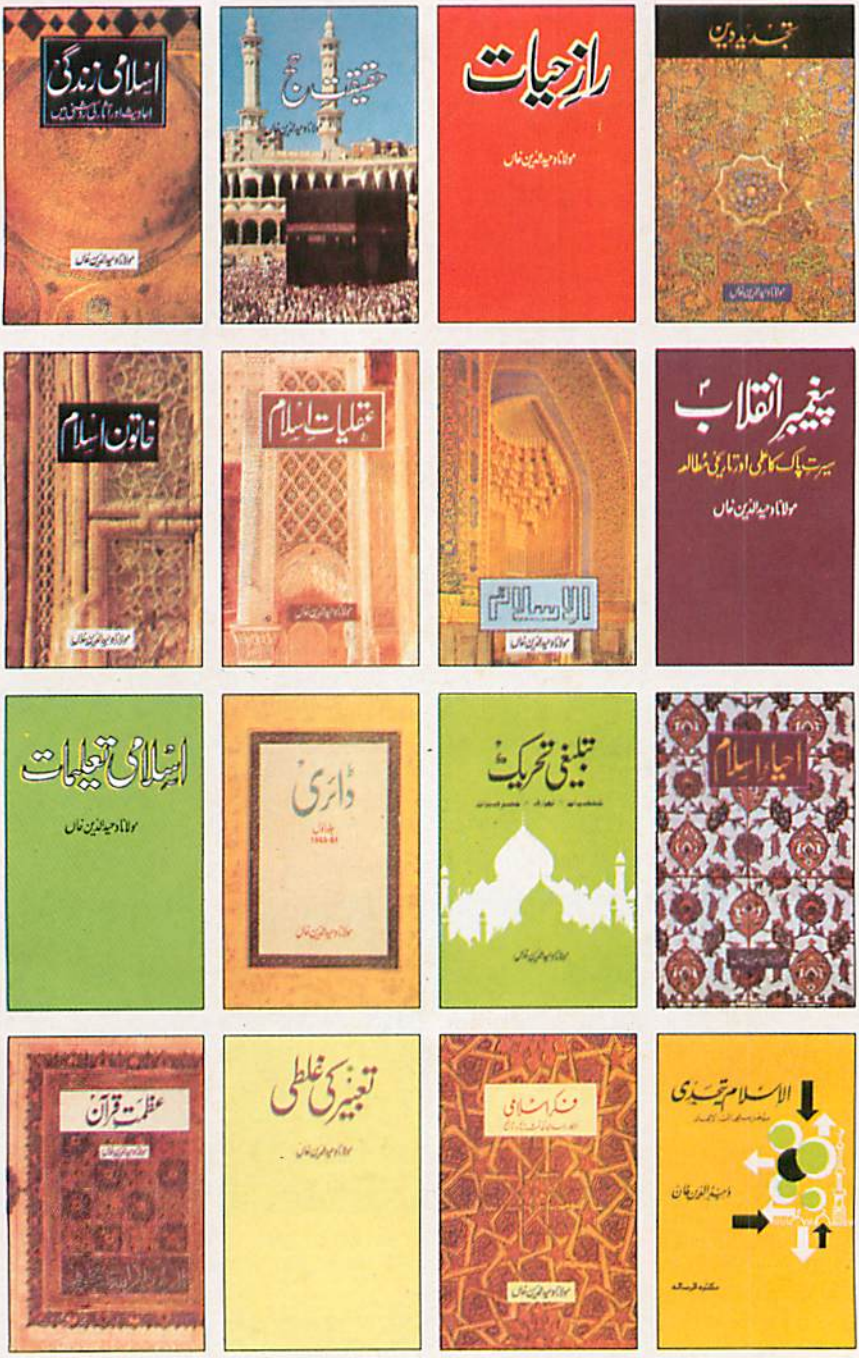

Delhi Postal Regd. No. DL/11154/98